نشتر و تیر

یعنی

جناب صاحب دہلوی المخاطب بہ

جانشین داغ کا

پہلا دیوان

جس میں

مصنف موصوف کی بعض مقبول نظمیں اور قصیدے بھی شامل ہیں

بار اول ۱۹۰۹ء قیمت عہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیر و نشتر

ردیفِ الف

ہر رنگ میں ہی فیض خدائے کریم کا
دامن بھرا ہوا ہی گلوں سے نسیم کا

تو وُہ کہ تیری ذات غفور الرحیم ہے
میں وُہ کہ مجھ سے آگ ہی شعلہ جحیم کا
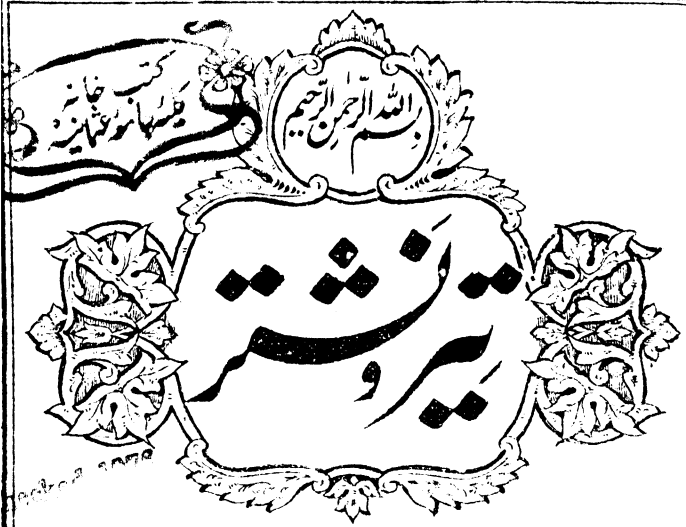
جاتی رہی ہی دل سے تمنائے انبساط
جب سے سبق پڑھا ہے ا۔ل۔میم کا

اک آہِ دردمند کو بخشیں یہ قوتیں
پایہ ہلا دے وُہ ترے عرشِ عظیم کا

شاعر کی آبرو رہے میدان حشر میں
دیتا ہے واسطہ تجھے دُرِّ یتیم کا

ارادہ جب کروں اے ہمنشیں مدحِ پیمبر کا
قلم لے آؤں پہلے عرش سے جبریل کے پر کا

معطر ہی دو عالم یا محمدؐ کیسی خوشبو ہے
کھلا ہی کیا کوئی حلقہ تری زلفِ معنبر کا

تسلی رہتی تھی عاشق کو اُسکے پاس رہنے سے
اسی باعث سے سایہ اُڑ گیا جسمِ پیمبر کا

تمہارے کہتے دم نکل جائے عشق میں / جبھی تو کام نکلیگا قضا سے زندگی بھر کا

کہیں ایسا نہو شاعر کو اپنے بھول ہی جاؤ
مرے مولا ذرا تم دھیان رکھنا روزِ محشر کا

ہجوم یاس میں جب منہہ سے یا علی نکلا / ہزار کوس پہ غم جیسا مدعی نکلا
اُڑا ہوں مدحتِ خیبر کشا میں سوئے فلک / سمندِ طبع خدا کی قسم پری نکلا
بجز خدائے دو عالم بجز رسولِ کریم / وہ کون تھا جو علیؑ سے نہ ملتجی نکلا
کدھر ہے شوقِ نجف نیند کے مزے لوٹیں / وہ حوصلہ ہی نہیں جو کبھی کبھی نکلا

مرا کریم ہے - تر دامنی ہے - کوثر ہے
سنو گے شاعرِ مے کش وہاں بھی پی نکلا

کیا خبر تھی رازِ دل اپنا عیاں ہو جائیگا / کیا خبر تھی آہ کا شعلہ زباں ہو جائیگا
حشر ہونے دے ستمگر ہم دکھا دینگے تجھے / پیارا پیارا یہ گریباں انگلیاں ہو جائیگا
رات بھر کی ہیں بہاریں شمع کیا پروانہ کیا / صبح ہوتے ہوتے رخصت کارواں ہو جائیگا
حشر میں انصاف ہوگا بس یہی سنتے رہو / کچھ یہاں ہوتا رہا ہے کچھ وہاں ہو جائیگا
بوسے ہم لیتے رہیں تم گالیاں دیتے رہو / دل ہی دل میں پھر حسابِ دوستاں ہو جائیگا
اسکو کہتے ہیں جہاں میں لوگ سچی الفتیں / تیر جب دل سے کھچیگا تو کماں ہو جائیگا
آڑی سیدھی پڑتی ہیں نظریں تمہیں پر آج تو / مجمعِ نازِ نظر کیا بدھیاں ہو جائیگا

ہے یہی رنگِ سخن تو شاعرِ شیریں زباں
تو بھی اک دن طوطیِ ہندوستاں ہو جائیگا

چٹکی میں دل ہے غنچے کی صورت ملا ہوا / دم پر یہاں بنی ہے وہاں مشغلہ ہوا

ٹوکا لگا ہی دے گا کوئی چرخ ہوشیار
کیا بات ہی کہ آنکھ میں سُرمہ نہیں ہی آج
اُسکو ہی اُدبدا کے ملایا ہے خاک میں

تجھ سے بھی اک جہان کا دل ہی جلا ہوا
خالی دھرا ہوا ہے طمنچہ بھرا ہوا
دیکھا ہی جس کو چرخ نے پھولا پھلا ہوا

ارمان تو نکل گیا شاعر حسود کا
مجھ کو بُرا کہا جو کسی نے بھلا ہوا

دل کے ہاتھوں کس و ناکس کا خریدار رہا
راہ دیکھا کیا اب آتے ہیں اب آتے ہیں
کہہ دیا جانے کو یوں تُو نکل رہی کہیں
اکھڑی اکھڑی وہ لگاوٹ وہ شرارت کی
حرکت کی ہی نہ قوت نہ ہی جنبش کی مجال
عشق کی آگ کو بجھ بجھ کے سلگنے دیکھا

عمر بھر میں اسی آفت میں گرفتار رہا
رات بھر منتظر جلوۂ دیدار رہا
دل کی پوچھو تو بہت کچھ اسے اصرار رہا
منہ سے انکار رہا آنکھ سے اقرار رہا
میں تری بزم میں نقش سر دیوار رہا
یہ وہ فتنہ ہے کہ مدت سے نمودار رہا

گالیاں دے کے بٹھایا ہی برابر شاعر
میں سُبک ہو کے بھی نظروں میں گرانبار رہا

کبھی خرابے میں خانماں خراب نہ تھا
بتوں نے رہ کے خرابات کر دیا ورنہ
یہ بے ثباتی عالم کہ موج دریا نے

خدا کا قہر تھا اس رنگ میں شباب نہ تھا
ہمارے کعبۂ دل کا کہیں جواب نہ تھا
پلٹ کے دیکھا تو پھر کاسۂ حباب نہ تھا

قطعہ

کہا جو میں نے کہ پہلے تو سیدھے سادے تھے
یہ بانکپن نہ تھا اس طرح پیچ و تاب نہ تھا

خموش رہتے تھے گویا نہ تھی زباں منہ میں
یہ شوخیاں یہ تلوّن یہ اضطراب نہ تھا

ہمیشہ پھرتے تھے بے پردہ سامنے میرے
کھلے تھے بندِ قبا اور کچھ حجاب نہ تھا

یکایک ایسا ہوا کیا یہ انقلاب نیا
کہ پردے لگ گئے اور کوئی باریاب نہ تھا

تو مسکرا کے کہا دور عقل کے دشمن
سمجھ لے اتنا کہ جب عالم شباب نہ تھا

اسی کا نام ہے حاضر جوابیاں شاعر
کہ اس نے منہ سے کہا کچھ تو پھر جواب نہ تھا

دنبالہ ان کی تند نگاہی میں آ گیا
کھچکے کماں سے تیر گواہی میں آ گیا

اب دل کی خیر ہے نہ جگر کا کچھ اعتبار
میں بھی کسی کی نیم نگاہی میں آ گیا

خال سیہ ہے کعبۂ ابرو میں جلوہ گر
کافر کہاں سے حفظِ الٰہی میں آ گیا

بوسے کا ذکر جنبشِ ابرو کا وار تھا
آخر کو بل کسی کے سپاہی میں آ گیا

عارض پہ انکے گیسوئے مشکیں بکھر گئے
دیکھو کسی کا چاند سیاہی میں آ گیا

سر کاٹ کر نہ آنکھوں سے لڑیاں بہائیے
ہم کو وفا کا لطف جفا ہی میں آ گیا

شاعر سرشکِ غم کا تلاطم نہ پوچھنا
میں دل لگا کے ان سے تباہی میں آ گیا

نغمۂ نے بن گیا شورِ عنادل ہو گیا
نالۂ دل چٹکیاں لینے کے قابل ہو گیا

پہلے اس میں اک ادا تھی ناز تھا انداز تھا
روٹھنا اب تو تری عادت میں داخل ہو گیا

پہلے وہ سفّاک کہاں تو خیر سے پیدا کرو
آپ خنجر باندھ کر سمجھے کہ قاتل ہو گیا

اسلیے کہتے تھے دیکھا منہ لگانے کا مزا
آئینہ اب آپ کا مدِّ مقابل ہو گیا

اب کہاں جائیں بچائیں کیسے کدھر ہو ہیں
روٹھنا چھوڑو کہ جینا ہم کو مشکل ہو گیا

دشمنوں کی جان ہے گویا مری افسردگی
رنگ چہرے سے اُڑا تو رنگِ محفل ہو گیا

رِدّیا کرتے کی ہے شاعر یہ بالکل ٹھیک ہے
شعر کہتے کہتے میں اُستاد کامل ہو گیا

مسکن ہی کوئی قبر سے بہتر نہیں ملتا
آرام کہیں گھر کے برابر نہیں ملتا

تقصیر مری۔ جُرم مرا۔ کوئی خطا بھی
کہہ تو سہی کیا سوچ سمجھ کر نہیں ملتا

پھر دیکھ لوں اُن رُوٹھی نگاہوں مجھے میں قربال
اُٹھنا اُسی انداز سے کہکر نہیں ملتا

ساقی ترے پیمانہ کا محتاج نہیں ہوں
چُلّو ہی سے پیتا ہوں جو ساغر نہیں ملتا

کیا اشک بھے سے بیٹھے ہیں وہ بزمِ عدو میں
نرگس کے کٹوروں میں یہ جوہر نہیں ملتا

اِک بات کہیں تم سے خفا تو نہیں ہوگے؟
پہلو میں ہمارا دلِ مضطر نہیں ملتا

اِسواسطے کہتے تھے ستانا نہیں اچھا
شاعر کئی دن سے ترے در پر نہیں ملتا

دم بھر میں زندگی کا سر انجام ہو گیا
خنجر ہٹا چکو کہ مرا کام ہو گیا

تم ماہِ نیم ماہ اگر ہو تو کیا ہوا
میں بھی تو آفتابِ لبِ بام ہو گیا

اُسکو نہ آیا درد بھی تھا کون سنگدل؟
دیکھو تو کیا سے کیا لبِ گلفام ہو گیا

تشویش کا مقام نہیں آپ چاہیے
بس ہم سنبھل گئے ہمیں آرام ہو گیا

گذری ہیں عدم کے تہیہ میں ساری عمر
دم بھر کی تھی یہ بات بڑا لام ہو گیا

شاعر خدا کی دی ہوئی عزت کے نصیب
لے اب تو دُور دُور ترا نام ہو گیا

اِک جہاں کو مشغلہ ہے نالہ و فریاد کا
نام نکلا ہے خدا رکھے تری بیداد کا

قتل میں میرے بہارِ باغ کا عالم ہوا
دام خالی ہی گیا۔ تنہا پھرا ہے سیر سے
بند ہو کر آنکھ پھر کھلتی نہیں ہے یاد رکھ

اس قدر تڑپا کہ جی خوش ہو گیا جلاد کا
ہے جبھی اُترا ہوا چہرہ مرے صیاد کا
دیکھ چل پھر کر تماشا عالمِ ایجاد کا

مر مٹا شاعر تری خوش قامتی کو دیکھ کر
واہ کیا موزوں ہے مصرعہ یہ کسی اُستاد کا

بڑی مشکل ہے بچنا سوزِ دل سے رازِ پنہاں کا
یہ کس نے روزنِ دیوار سے ہنس کر مجھے جھانکا
جنونِ عشق بھی کیا کھیل سمجھے حضرتِ ناصح
نہ پوچھو بیخودی کی جب سے لمبے بال سنگھے ہیں

کہیں ایسا نہ ہو مجرم ہوں لبہائے جاناں کا
کہ شعلہ پھر گیا آنکھوں میں میری آتشِ سوزاں کا
قیامت تک رہیگا سلسلہ چاکِ گریباں کا
چڑھا ہے زہر کیا کیا مجھ کو مارِ سنبلستاں کا

گلِ زہرا کے صدقے سے مجھے امید ہے شاعر
بنے گا شاخِ طوبیٰ پر نشیمن طائرِ جاں کا

گو جوانی میں بہاریں پہ ہے جوبن اُن کا
بال بکھرے ہیں مسی چھوٹی ہے نیلے ہیں گال
کل ہی آئے تھے قفس سے جو رہائی پا کر
نیند آئے نہ یہاں مجھ کو اکیلے پن سے

پھر بھی آنکھوں میں پھرا کرتا ہے بچپن اُنکا
چغلیاں کھاتا ہے بگڑا ہوا جوبن اُنکا
برق نے پھونک دیا آج نشیمن اُنکا
اور مُنہ دیکھ کے اُٹھا کرے دشمن اُنکا

یاد ہیں شاعرِ مہجور وہ گھر کے پردے
اور وہ بیٹھنا آ کر پسِ چلمن اُنکا

اللہ! مرے درد کا درماں نہیں ملتا
اُف اُف مری وحشت ترے قربان ہی جائے

دُنیا کے بتوں میں کوئی انساں نہیں ملتا
دامن کو سنبھالا تو گریباں نہیں ملتا

ہر چند کے نہیں مرتی ہے تو او شبِ ہجراں
کیا اور کوئی قابلِ احساں نہیں ملتا؟

یہ سچ ہے کہیں دوست زمانہ میں نہیں ہے
ملتا ہے۔ مگر اب کوئی یکساں نہیں ملتا

ہم کہتے ہیں ہم کہتے ہیں **شاعر** کی طرف سے
بیشک نہیں ملتا ہے وہ ہاں ہاں نہیں ملتا

اچھی کہی کہ دل کا تڑپنا نہ جائیگا؟
اچھی طرح پھر آپ سے سمجھا نہ جائیگا؟

غیروں کے ساتھ آپ اڑائیں شرابِ شوق
یہ رنگ اپنی آنکھ سے دیکھا نہ جائیگا!

ہوگا کوئی خیال مرے دم کے ساتھ ساتھ
بندہ بہشت میں بھی تو تنہا نہ جائیگا

تم اپنی حسرتوں کو نکالو کہ میٹ دو
ہم سے تو دل کو چیر کے پھینکا نہ جائیگا

شاعر بڑھی ہوئی ہیں تلوّن مزاجیاں
تم سے ہمارے پاس بھی بیٹھا نہ جائیگا

اک غیر ہے کس بزم میں جا کر نہیں بنتا
اک ہم ہیں گھڑی بھر کو مقدر نہیں بنتا

رفتار کے قربان۔ اس انداز کے صدقے
وہ کونسا فتنہ ہے جو ٹھوکر نہیں بنتا

کیونکر ترے دل کو مری چاہت کا یقیں ہو
یہ نقش تو فولاد کے اوپر نہیں بنتا

دل پھینک دیا کہ کے یہ اُس مستِ جفا نے
ہم سے تو یہ ٹوٹا ہوا ساغر نہیں بنتا

شاعر یہ رنگیلی ہے جسے چاہے بنا لے
پھر یہ نہ مکرنا کہ میں پی کر نہیں بنتا

دنیا میں کوئی دوست کسی کا نہیں ہوتا
اپنا بھی برے وقت میں اپنا نہیں ہوتا

جل بجھنے کے قابل ہوں فلک پھر یہ ستم ہے
اب بھی تو کلیجہ ترا ٹھنڈا نہیں ہوتا

لے اُڑتی ہے کس طرح صبا نکہتِ گیسو
کیا زلفِ گرہ گیر میں پھندا نہیں ہوتا

جی بھر کے بہت پیار کیا مَیں نے کئی بار
پھر بھی لبِ لعلیں کبھی چھوٹا نہیں ہوتا

اللہ کی مرضی پہ ہے موقوف ہر اک امر
شاعر کبھی انسان کا چاہا نہیں ہوتا

آنکھ! دل کی شورشوں پر جائیے کیا
کرنی بھرنی ہے پھر اب پچتائیے کیا؟

نبض دیکھی۔ حال پوچھا۔ اُٹھ چلے
بیٹھئے صاحب۔ بھلا یہ آئیے کیا؟

نیل کیسے ہیں گل رخسار پر؟
آپ نے بھی خیر سے گل کھائیے کیا؟

شیشۂ دل کے ہیں ٹکڑے راہ میں
دم لبوں تک آئے کیا اور جائیے کیا؟

پاؤں ٹکتا ہی نہیں شاعر کہیں
ایسے وحشی کو کوئی سمجھائیے کیا؟

ذرہ بھی اگر رنگِ خدائی نہیں دیتا
اندھا ہے تجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا

دل کی بُری عادت ہے جو مٹتا ہے بتوں پر
واللہ میں اُنکو تو بُرائی نہیں دیتا

کس طرح جوانی میں چلوں راہ پر ناصح
یہ عمر ہی ایسی ہے سجھائی نہیں دیتا

گرتا ہی اُسی وقت بشر منہہ کے بل آکر
جب تیرے سوا کوئی دکھائی نہیں دیتا

سُنکر مری فریاد وہ یہ کہتے ہیں شاعر
اسطرح تو کوئی بھی دُہائی نہیں دیتا

شاعرِ رنگیں فسانہ ہو گیا
شعر بلبل کا ترانہ ہو گیا

اس قدر نقشے اُتارے یار نے
یہ جہاں تصویر خانہ ہو گیا

وہ چمن کی یاد نے مضطر کیا
زہر مجھکو آب و دانہ ہو گیا

آنکھ سے ٹپکی جو آنسو کی لڑی
قافلہ غم کا روانہ ہو گیا

اِس نزاکت کا بھلا کچھ ٹھیک ہے
شانہ اُلجھا دردِ شانہ ہوگیا

جان لینے آئے تھے شاعرؔ وہی
موت کا تو اِک بہانہ ہوگیا

ازل سے ہوں محوِ تماشا کسی کا
نگاہوں میں پھرتا ہے جلوا کسی کا

جگر تھام کر آپ بیٹھیں تو پہلے
ہنسی کھیل ہے کچھ تڑپنا کسی کا

تمہیں تو تسلّی تشفّی کروگے
تمہیں سے تو ہوگا مداوا کسی کا

سدھاریں بھلا آپ کیا دیکھتے ہیں
جنازہ کسی کا تماشا کسی کا؟

عدو اور تم سے ملے بے غرض ؟
نہ کھلواؤ بس ہم سے پردا کسی کا

سنبھالا نہ تم نے اجل نے چلایا
کہیں کام رکتا ہے دانا کسی کا؟

مجھے یاد ہے میں نہ بھولوں گا شاعرؔ
وہ ہنس ہنس کے منہ پھیر لینا کسی کا

کیا کر رہے ہو ظلم کرو راہ راہ کا
کہتے ہیں بے جگر ہے بڑا تیر آہ کا

چوسا وہ ہونٹ رنگِ مسی اُڑ گیا تمام
چہرہ اُتر گیا ترے جھوٹے گواہ کا

سُرمے کی تیزی موتی کی لڑیاں بہا گئی
ساغر چھلک گیا تری چشمِ سیاہ کا

یوں رونگٹے لرزتے ہیں پوچھینگے روزِ حشر
کیوں؟ ایک دن بھی خوف نہ آیا گناہ کا

حالت پہ میری اُنکے بھی آنسو نکل پڑے
دیکھا گیا نہ یاس میں عالم نگاہ کا

کسریٰ کا طاق کعبے کے بُت منہ کے بل گرے
شہرہ سنا جو اَشہَدُ اَن لا اِلٰہ کا

شاعرؔ عجیب رنگ سے گذری ہی اپنی عمر
دُنیا میں نام بھی نہ سنا خیر خواہ کا

کُل نفسِ سے یہ بیساختہ پن یاد آیا
وہ ہنسی پھر گئی آنکھوں میں جو بجلی چمکی
چوٹ سی دل پہ لگی آنکھ میں آنسو بھر آئے
نزع میں دیکھنے آئے ہیں مرے داغِ جگر

جب قبا پہنی گریبان کفن یاد آیا
غنچہ چٹکا تو مجھے اُسکا دہن یاد آیا
جب کبھی عالمِ غربت میں وطن یاد آیا
پھول کمہلا گئے جب اُنکو چمن یاد آیا

پانچ ہی شعر قیامت کے لکھے ہیں شاعر
کیا تجھے میر کا اندازِ سخن یاد آیا

جس رنگ میں یہ سوختہ ساماں نکل گیا
جوشِ جنوں سے ربط کا ساماں نکل گیا
آسان ہوگئی مری مشکل کہ مر مٹا
بس ایک ہی نظر کی تمنا تھی آپ سے

تصویر سے بھی شعلۂ عُریاں نکل گیا
دامن سیا ہی تھا کہ گریباں نکل گیا
تجھسے یہ کام آئے شبِ ہجراں نکل گیا
لو پھیر دو چھُری مرا ارماں نکل گیا

شاعر میں اُنکو کھینچ تو لایا تھا خواب میں
افسوس میرے ہاتھ سے داماں نکل گیا

مے کشی نے جلوے پر جلوا دیا
اُف رے شبنم اسقدر ناقدریاں
دم نہ نکلا صبح تک شامِ الم
پھر مرے سر کی قسم کھا کر چلے

حُسنِ عارض اور بھی چمکا دیا
موتیوں کو گھانس پر پھیلا دیا
حسرتوں نے رات بھر پہرا دیا
پھر مجھے سرکار نے فقرا دیا

اُس سے ہو سکتی ہی شاعر فکرِ شعر
ہم نے اس جھگڑے ہی کو سنوا دیا

بے عیب تو کوئی کہیں پیدا نہیں ہوتا
نادان ! بھلا پھول میں کانٹا نہیں ہوتا؟

بُت بنگئے ہم سامنے آتے ہی کسی کے
اے کاش ہمارا لب گویا نہیں ہوتا

دل سے کوئی دم یاد تمہاری نہیں جاتی
مالک کو جو بھولے تو وہ بندا نہیں ہوتا

اغیار سے بھی چال چلیں آپ تو ہے جانیں
اُن سے کوئی چلتا ہوا فقرا نہیں ہوتا!

پہنچتا ہے سو رنگ سے **شاعر** وہ مجھی رزق
اللہ کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا

یہی تو اک سہارا ہی ہماری زندگانی کا
ادھر بھی مُسکرا کر دیکھ لو صدقہ جوانی کا

کہاں اُٹھکر چلے ہم بھی تو اُٹھتے ہیں ذرا ٹھیرو
گھڑی ساعت کے ہیں اب کیا بھروسا زندگانی کا

جوانی بھی عجب شے ہے کہ جب تک ہے نشا اسکا
مزا ہی سادی پانی میں شراب ارغوانی کا

رقیب رو سیہ مجھ کو بلائے انکی خاطر سے
قسم ہے نیل بگڑا آج دور آسمانی کا

نہ پوچھو آبرو اہل قلم کی اس زمانے میں
کٹورہ تک نہیں دیتا ہی بھر کر کوئی پانی کا

چمن میں قُمریوں نے نالۂ دل کی روش سیکھی
اُڑایا بلبلوں نے رنگ میری خوش بیانی کا

فلک ہشیار! دل دُکھی ہوؤں کی تیز آہوں سے
کہیں چھلنی نہو دامن قبائے آسمانی کا

نہ تیغ جفا **شاعر** نہ آیا سانس تک مجھکو
نہ نکلی کوئی بھی حسرت بُرا ہونا توانی کا

زرد چہرہ دو ہی ساغر میں گلابی ہوگیا
تیری آنکھیں دیکھ کر میں بھی شرابی ہوگیا

مائل تحریر جب میرا شرابی ہوگیا
عکس پڑتے ہی ورق سارا گلابی ہوگیا

تنگ آکر جب کہا میں نے نہیں ملتے کے تم؟
ہنسکے بولے بس یہی فقرا جوابی ہوگیا

کچھ نہیں کھلتا وہی بیتاب نظروں کا مآل
حسن عارض ہاے جس دن سے نقابی ہوگیا

گالیاں دیں غیر نے تو سن سُنا کر ٹال دیں
چھیڑنا میرا سراسر بے حجابی ہوگیا!

ہاتھ رکھکر سوئے ہو؟ گیسو چھپے ہیں کیا ہوا
کیوں تمہارا پھول سا رخسار آبی ہو گیا؟

حسن یوسف کا جو ذکر آیا تو شاعر سے کہا
رہنے بھی دو اسکو وہ قصہ کتابی ہو گیا

ہر اشارے میں ندارد ہے جگر کا ٹکڑا
تیر میں خوب لگا لائے ہو پر کا ٹکڑا

گل رنگیں ہے نہ یہ خون دل مضطر ہے
آ گیا ہے سر مژگاں پہ جگر کا ٹکڑا

حسن رخسار سے ہے کان کی بجلی روشن
مہر کے ساتھ جھلکتا ہے قمر کا ٹکڑا

یہ بھی اک چیز ہے اے پیر خرابات نہ پھینک
کام آئے گا مرے کاسہ سر کا ٹکڑا

ٹوٹکر شیشۂ دل کیونکہ جڑے مشکل ہے
نہ ادھر کا کوئی ٹکڑا نہ ادھر کا ٹکڑا

خوف کیا آتش دوزخ سے کہ او زاہد خشک
میرے سر پر ہے مری دامن تر کا ٹکڑا

آؤ اس بت کو رخ زرد دکھائیں شاعر
نرم کر دیتا ہے فولاد کو زر کا ٹکڑا

تمہارا آج کا غصہ تمہیں پر کوئی مشکل تھا
مرے دل سے تو پوچھو پیار کر لینے کے قابل تھا

جسے تم لے گئے۔ ہم بیکسوں کا رنگ محفل تھا
طبیعت کچھ بہلتی تھی بڑا حسرت بھرا دل تھا

وہ انکا حسب وعدہ میرے گھر مہمان آ جانا
قسم ہے کیا بتاؤں یاد پڑتا تھا جہاں دل تھا

دھوئیں اٹھتے ہیں اپنے گریۂ غم سے رقیبوں میں
ہماری آنکھ کا آنسو بھی دود شمع محفل تھا

ضعیفی میں بہار عیش پھر ممکن کہاں شاعر
جوانی کی ترنگیں ہیں نہ یہ دل ہے نہ وہ دل تھا

کس لئے دشمن سے بگڑی بندہ پرور کیا ہوا؟
جو کلیجے پر دھرا رہتا تھا پتھر کیا ہوا

کس نے یہ جھلکی دکھائی وہ ستمگر کیا ہوا
ایک فتنہ تھا قیامت کے برابر کیا ہوا

تا بکے یہ گرمیاں رہ رہ کے آہ بے اثر
ہائے اس کہنے کے صدقے کیوں نہ مرجائے کوئی
خوب سبقت گم ہوئی میدانِ محشر دیکھ کر
دیکھنا تو کیا دلِ پُرسوز ہے اے چارہ گر
جیتے جی تو لاکھ جھگڑے تھے بتانے کے لئے

کالا منہہ کر عمر بھر تجھ کو میسر کیا ہوا
مر مٹا کوئی تو پھر احسان ہم پر کیا ہوا!
کیوں نہیں کھچتا کمر سے آج خنجر کیا ہوا؟
آبلہ سا یہ کلیجے کے برابر کیا ہوا؟
یہ کسی نے بھی نہ سمجھایا کہ مر کر کیا ہوا!

پہلے خود ہی دل مسل کر پھینک دینا پاؤں سے
پھر مجھی سے پوچھنا شاعر گلِ تر کیا ہوا

کیا کہیں عالمِ امکان میں کیا کیا دیکھا
اسکا جی چاہا تو تڑپایا نہیں کچھ بھی نہیں
غیر کی بزم میں تم کاہے کو تھے بے ایمان
سامنے پھرتے ہیں اُنکے جنہیں پہچان نہیں

ہم نے مٹی کے کھلونے کو بھی گویا دیکھا
دردِ کمبخت بھی اپنے ہی مزے کا دیکھا
بس چلو رہنے دو جس رنگ سے دیکھا - دیکھا
اور ہم سے ہی ہر اک بات میں پردا دیکھا؟

پیتے ہی ساغر کا "ہوش" نہ تھا شاعر کو
اپنی ہستی میں کچھ اس رنگ کا جلوا دیکھا

اپنی ہی شکل تو ہے مردِ مقابل اپنا
شکوۂ اُلفتِ اغیار پہ فرماتے ہیں
دیکھ لینا کہ ہمیں چین سے نیند آئے گی
پُھول رکھا ہی مگر سُونگھ نہیں سکتے ہیں
صبحِ پیری جو ہوئی آہ کے شعلے نکلے
کیا خبر تھی کہ چھُری تیز ہمیں پر ہوگی

کھوئے دیتا ہی بھرم کیوں کفِ سائل اپنا
آپکا اس میں اجارا ہے کوئی دل اپنا!
کام کر جائیگی اک دن خلشِ دل اپنا
آپ ہی آپ مسلتا ہے کوئی دل اپنا
کیا بھڑکتا ہے چراغِ سرِ منزل اپنا
اپنے ہاتھوں سے بنایا تمہیں قاتل اپنا!

وہ طبیعت نہیں شاعر وہ امنگیں نہ رہیں
کیا کہیں شعر کہ اب بجھ ہی گیا دل اپنا

ٹھیس لگتے ہی خدا جانے اسے کیا ہو گیا
دل بھی مجھ کو اب ہتھیلی کا پھپھولا ہو گیا

پھینک دو کیوں انگلیاں بھرتی ہو دل کے خون میں
یہ تو اس کا کھیل ہے تم کو اچنبھا ہو گیا

دیدیا آنکھیں لڑا کر اس پری پیکر نے جام
میں نشے میں چور تھا ہی اور اندھا ہو گیا

کس ادا سے پوچھتے ہیں میری صورت دیکھ کر
یہ ترا کیا حال ہے دو دن میں کیسا ہو گیا؟

دل نہ آنا آپ پر تو آپ کا زور انہ تھا
کیا کریں افسوس اپنا دام کھوٹا ہو گیا

جھوٹی قسمیں کھا کے کیا نکھرا الٰہ العلمین یار یہ
لو خدا کی شان الٹا اور سچا ہو گیا

ہم تو اس ترکیب کے قائل ہیں اف ری بانکپن
تم جو بگڑے اک نیا انداز پیدا ہو گیا

عیب پوشی کرتے ہیں اہل ہنر احباب کی
اس سبب سے پھول کے پہلو میں کانٹا ہو گیا

آہ! یہ بار امانت اور یہ مجھ سا نحیف
کیا کروں بندہ بشر ہے مجھ کو دھوکا ہو گیا

لکھ نہیں سکتا ہی شاعر اک غزل بھی فی البدیہ!
یہ مری طبع رسا کو تازیانا ہو گیا

واقف نہیں مرے روز کی چین جبیں سے کیا؟
زخم جگر کی داد بھی لینگے تمہیں سے کیا؟

سینے سے ڈھل رہا ہی دوپٹہ جو بار بار
یہ تو بتا اٹھیگی قیامت یہیں سے کیا؟

انکار گریہ پر مرے کس ناز سے کہا
آنسو نہیں تو پونچھتی ہو آستیں سے کیا؟

جس خاک میں ہوں چاند کے ٹکڑے ہزارہا
نسبت ہو آسمان کو پھر اس زمیں سے کیا؟

مٹی کی مورتوں میں بھری ہیں یہ شوخیاں
شاعر تجھے گلہ نہیں حسن آفریں سے کیا؟

کیا بتاؤں وصل میں کیا لطف پا کر رہ گیا
ہائے بس انکو کلیجے سے لگا کر رہ گیا

میں نے تنہا پا کے اُس سے جب کیا اظہارِ حال
پہلے تو سُنتا رہا - پھر مُسکرا کر رہ گیا

دل سے جاتا ہی نہیں ہے اُس ستمگر کا خیال
ہائے ظالم میری نظروں میں سما کر رہ گیا

رکھ بھی دے اچھی طرح سے ہاتھ دوشِ غیر پر
یُونہی سہی کیوں آگ سینے میں لگا کر رہ گیا

جلوۂ شانِ احد کی شان جب لکھنے لگا
میم احمد پر قلم نُقطہ لگا کر رہ گیا

جب کہا محشر میں سچا چاہنے والا ہے کون
اُف رے شوخی مجھکو انگلی سے بتا کر رہ گیا

آج پھر ان بن کی ٹھہرائی تھی شاعر نے جبھی
خود بخود چہرہ تمہارا تمتما کر رہ گیا

چلیگا نہیں مجھ پہ فقرا تمہارا
ہٹا لو کہ خنجر ہے جھوٹا تمہارا

تمہارا ہی بُتخانہ کعبا تمہارا
ہے دونوں گھروں میں اُجالا تمہارا

نہ چھوڑونگا دل دیکے پہونچا تمہارا
کہ ہے یہ ہی اقرار میرا تمہارا

نہیں ہے سبب اشکِ خونِ حسرتِ دل
کوئی آبلہ پکے ٹوٹا تمہارا

منائیں تو اب جان دیکر منائیں
قیامت ہے یہ رُوٹھ جانا تمہارا

کہا جبکہ ہم مر مٹینگے کسی دن
تو فرمایا تقدیر - لکھا تمہارا

بتاؤ تو نیچی نظر آج کیوں ہے؟
یہ کیوں وار پڑتا ہے اوچھا تمہارا؟

بڑے سیدھے سادے بڑے بھولے بھالے
کوئی دیکھے اس وقت چہرا تمہارا

بچی ہے جو ساغر میں کیوں پھینکتے ہو
ہمیں دیدو ہم پی لیں جھوٹا تمہارا

مجھے کانٹا سا کر دیا حسرتوں نے
کیا ہائے یہ عشق اچھا تمہارا

یہ کیا بے سبب آج چپ چپ ہو پیارے
بتاؤ تو کیوں جی ہے کیسا تمہارا؟

پہن لیں کفن - اب یہ نوبت ہے اپنی
مگر ہے وہی ہم سے پردا تمہارا

اٹھانے پڑے خاک سے دل کے ٹکڑے
بڑا پیار تھا - پیار دیکھا تمہارا

اگر یہ سہارا تو میں بھی نہیں ہوں
مری جان ہے درد گویا تمہارا

خدا کے لئے ہاں نہیں کچھ تو کہدو
کہ منہہ تک رہی ہے تمنّا تمہارا

علاج اُس کے بیمار کا تم کروگے؟
کہیں دل چلا ہے مسیحا تمہارا

یہ کیا سایہ بھی ساتھ ہی وحشتوں میں
بٹھایا ہوا ہے یہ پہرا تمہارا

کہا جل کے یہ ذکرِ مرگِ عدو پر
اُٹھاتے ہیں چلکر جنازا تمہارا

چلے آئے جنّت سے بندہ بشر تھے
کھُلا ہے یہاں آکے دھوکا تمہارا

چلا شاعرِ زار تسلیم لیجے
بھلا ہو بھلا میرے داتا تمہارا

مجھ پر کرو ذرا جو مزہ آئے پیار کا
احسان ہوگا لغزشِ مستانہ وار کا

بجلی کی طرح آئے ہوا کی طرح گئے
تم بھی تو کوئی دل ہو کسی بیقرار کا

آنکھیں نشیلی - بال کھُلے مُسکراہٹیں
اِسوقت یہ نشا ہے تمہیں کس بہار کا

کس طرح دل بچاؤں تمہاری نگاہ سے
مجبُور ہوں کہ کام نہیں اختیار کا

اب تم سے کیا کہوں مری آنکھوں میں جان ہے
مارا ہوا ہوں نرگسِ دنبالہ دار کا

اِس رنگ سے ہو کفر پرستی تو خوب ہے
زُنّار ڈالے لئے ترے پھُولوں کے ہار کا

کیا لینگے آپ شاعرِ خستہ کو پوچھکر
جس حال میں ہی شاکر ہے پروردگار کا

آیا نظر میں اور نظر سے نکل گیا
تُو تو ابھی یہیں تھا کدھر سے نکل گیا؟

پانی ہوا بلند تو سر سے نکل گیا
میں غرق ہو کے لاکھ بھنور سے نکل گیا

کیا مول تیرے پھول سی چہرے کے رنگ کا
میرے خیال میں گلِ تر سے نکل گیا

اِلزام دیگیا یونہی یوسف کا پیرہن
دیکھا نہ یہ کسی نے کدھر سے نکل گیا

مارا جو اُس نے غیر کی خاطر بگڑ کے تیر
شُعلہ سا ایک زخمِ جگر سے نکل گیا

کہتے ہیں دیکھ دیکھ کے بادل کو مے پرست
یہ تو ہمارے سر ہی پہ برسے نکل گیا

سینے سے بے لگائی تمہیں چھوڑتا ہوں میں
اب کیا ہے اب تو ہاتھ کمر سے نکل گیا

کھینچا دیا ہی زخمِ جگر ضبطِ آہ نے
گھُٹ کر دھواں یہ روزنِ در سے نکل گیا

شاعر نہ پوچھنا وہ مزے راہِ عشق کے
جب پاؤں رہ گئے تو میں سر سے نکل گیا

ردیف الباء

کِس طرح سے اُٹھیگی جفائے دِلِ بیتاب
ملنے لگی اب تم میں ادائے دِلِ بیتاب

بھُولے سے یُونہی اُٹھ گیا تھا ہاتھ سوئے زلف
لِللہ بحل کیجیے خطائے دلِ بیتاب

وُہ بھی تو تڑپ جائیں مری آہ وُہ نکلے
اِتنا تو کسی روز دکھائے دلِ بیتاب

یہ کیا کیا رکھوا دیا سر قدموں پہ اُس کے
سب دیکھتے ہیں اپنے برائے دلِ بیتاب

شاعر کو کسی طرح کہیں چین تو آئے
خالِق سے ہے اب یہ ہی دُعائے دلِ بیتاب

لگی ہُوئی تھی مرے مُنہ وُہ لاجواب شراب
پکارتا گیا کوثر پہ میں شراب شراب

تمہارے سامنے کوئی شب تو میں گنا دونگا
جو تنگ ہے مرے ساغر میں آفتاب شراب

جھکی ہی پڑتی ہیں آنکھیں نشے میں تو ہے یہ
جو پی نہ لیتے تو اس طرح گالیاں دیتے

پلائے دیتی ہی کیا چشم نیم خواب شراب
قصور آپ کا کوئی نہیں جناب شراب!

رقیب روز پئیں اور ہم جلیں شاعر
ہمارے خون جگر کا بنی جواب شراب

آخر یہ کیوں نکالتے ہو ہر کسی میں عیب
سر کاٹ کر قدم پہ دھروں جب یقین آئے
دل آئے۔ جان جائے۔ فراغت نصیب ہو
اہل دل کو کوئی نہیں ٹوکتا کہیں

ہوتے نہیں ہیں کیا مری جاں آدمی میں عیب
ہر بات پر نکالتے ہو دوستی میں عیب
آخر بتائیے تو کوئی دل لگی میں عیب
تیار ہیں لگانیکو سو مفلسی میں عیب

شاعر خطا معاف بڑے بدبلا ہو تم
چھوڑا نہیں ہے تم نے کوئی زندگی میں عیب

غیر سے لکھوا دیا خط کا جواب
وہ نہیں آتے نہ آئیں خوش رہیں
بن گئی کیا تجھ پہ قاصد خیر ہے؟
مرمٹوں سے پوچھتے ہو لطف جور

کیا خط تقدیر تھا خط کا جواب
خیر جی دے تو دیا خط کا جواب
منہ سے تو کچھ پھوٹ کیا لایا جواب؟
دے سکے کیا قالب مردہ جواب

دیکھ شاعر اس گل رخسار پر
بن گئی زلف دوتا خط کا جواب

مژدہ وحشت ہو گئی ہی پھر صدائے عندلیب
سوز دل سے جامۂ اصلی نہ میلا ہو کہیں
اس طرح اٹھ جاؤں تیرے پاس سے اے لالہ رو

چٹکیاں لیتی ہیں دل میں نالہ ہائے عندلیب
اس لئے خاکستری سی ہے قبائے عندلیب
لہلہاتا پھول کیونکر چھوڑ جائے عندلیب

آئے دن کی شورشوں سے باغباں بھی جلگیا
حکم یہ ہے باغ کے اندر نہ آئے عندلیب

اُٹھ گئے دُنیا سے سارے قدردانِ علم و فضل
شاعر اب سُنتا نہیں کوئی نوائے عندلیب

قیامت ہے یہ پیارا پیارا شباب
تمہاری جوانی تمہارا شباب

اب آئے تو وہ بات ہی اب نہیں
کہاں جا کے تم نے گذارا شباب

مُصوّر ترے ہاتھ ہی چوم لوں
کہ تصویر میں ہے اُتارا شباب

کہیں چین لینے بھی دی دو گھڑی
تمہاری ہی شوخی سے ہارا شباب

خدا جانے سایہ تھا شاعر کہ برق
پلک جھپکی تھی جو سدھارا شباب

ردیف بائے فارسی

کسی کے رُخ پہ ہیں زلفیں کہ آفتاب میں سانپ
خدا کی شان ہے رہنے لگے نقاب میں سانپ

نسیم صبح سے یکجا ہوئے جو سُنبل و گل
بہار رنگِ چمن دیکھنا گلاب میں سانپ

وہ شانہ کش ہوئے سینہ پہ ڈال کر گیسو
ہماری آنکھ سے دیکھے کوئی حباب میں سانپ

عجب تماشا ہے شمعِ مزارِ عاشق نے
دکھائے سبزۂ تربت کو عین خواب میں سانپ

یہ پانچ شعر نہیں پنج گنج ہیں شاعر
دُھوئیں ہیں سینۂ دشمن کے اضطراب میں سانپ

ردیف تائے فوقانی

کون جاتا ہے سوئے چرخ اُڑا آج کی رات؟
کس کا جبریل سا ہے راہنما آج کی رات

شبِ معراج فرشتوں نے یہ حضرت سے کہا
تم کہاں آ گئے محبوبِ خدا آج کی رات؟

خواب میں نورِ رخِ پاک کو دیکھا میں نے
شیشۂ دل میں ہوئی خوب جلا آج کی رات

حشر ہو بھی جو مرا آلِ محمد کے ساتھ
آج کا دن ہے دعا آج کی ہے آج کی رات

دیکھ شاعر شبِ معراج کا جلوہ اُٹھ کر
سو گیا کل کی طرح مردِ خدا آج کی رات

کچھ تمہیں یاد بھی ہے رات کی بات؟
تم بگڑتا نہیں ؛ ہر بات کی بات

میرے بس کا نہیں ہے دل کہ رہے
ہے مری جان تیرے ہات کی بات

کہیں پیدا ہوئی ہے یا ہوگی
ابروؤں کا جواب گات کی بات

لاکھ پہلو تری اداؤں میں
تیز سی اک چھری ہے بات کی بات

داغ کے دم سے لطف تھا شاعر
اب بگڑتی چلی ہے بات کی بات

کبتک الٰہی کوئی کہے جائے ہاں درست
جب دیکھئے نہیں ہے طبیعت وہ ہاں درست

گیسو کی طرح پیچ نہ تقدیر کے گئے
ہم سے ہوا نہ سلسلۂ داستاں درست

یہ رات کیونکہ کٹیگا اب حال غیر ہے
لیتا نہیں ہے سانس ترا ناتواں درست

الفت نہیں ہے آپ کو دشمن سے واقعی؟
سچ کہہ رہے ہو ٹھیک کہا میری جاں درست

وقتِ نگاہ جنبشِ ابرو نہ چاہئے
ماریں گے تیر رکھئے تو پہلے کماں درست

اعلیٰ سے اعلیٰ عیب سے خالی نہیں کوئی
دیکھا کبھی نہ ہم نے خطِ کہکشاں درست

شاعر اب ایسے ایسوں کو ہے ادعائے شعر
جن کا بیاں درست نہ جنکی زباں درست

ردیفِ جیم

ہر پھر کے پڑے جاتی ہے قاتل کی نظر آج
رہ رہ کے تڑپتا ہے مرا زخمِ جگر آج

سر کاٹ لو میرا نہیں سینے سے لگالو
جو ہونا ہے ہو جائے مری جان مگر آج

اُف اُف! کسی کروٹ بھی تو تھمتا نہیں ظالم
کیا جان ہی لے لیگا مری دردِ جگر آج

چھائی ہوئی ہے پیار سے کیا رحمتِ معبود
کیا مجھ کو ترا لیگیا ہے دامنِ تر آج

چکر نہیں جاتا مری تقدیر کا شاعر
میں بیٹھ گیا ہوں تو پھرے جاتا ہے سر آج

میری مزاج پرسی سے آتش ہوا مزاج
یہ بھی تو جھوٹے منہ نہ کہا آپ کا مزاج

کوئی گھڑی تو نیکی کے دم میں بھی تم رہو
ہر بات پر بگڑتے ہو ایسا بھی کیا مزاج

کیا کر سکینگے اپنا زمانے کے گرم و سرد
اب تک نبھے ہی جاتا ہے اچھا برا مزاج

ان بن جہاں ہوئی وہیں ہم بھی الگ ہوئے
ہم سے کبھی بنا نہیں بگڑا ہوا مزاج

شاعر ابوتراب سا مولا کسے نصیب
خاکِ قدم بھی رکھتی ہے اکسیر کا مزاج

ردیفِ الخا

پھولی پھلی بہار میں اک اک چمن کی شاخ
لیکن مٹا گئی ہمیں رنج و محن کی شاخ

دنبالہ بڑھ گیا ہی بہت چشم مست سے
دیکھو نکل چلی ہی کہاں اس ہرن کی شاخ

نکلے کبھی سے ترے وارفتگانِ شوق؟
مر کر بھی پھیلتی رہی چاکِ کفن کی شاخ

دیکھا تو سادگی میں بھی لاکھوں بناؤ ہیں
جب سے لگائی آپ نے یہ بانکپن کی شاخ

شاعر بڑے مزے سے گذرتی تھی قفس میں
اب تو بلائے جاں ہی کمالِ سخن کی شاخ

ردیفِ دال

آئے جاتی ہے پیاری پیاری یاد
دل سے جاتی نہیں تمہاری یاد

خود فراموش ہو گیا بالکل
میں نے جس دن سے کی تمہاری یاد

اس لئے پار کاب بیٹھے ہیں
ہو نہ جائے کہیں ہماری یاد

تیرے سب وار دیکھے بھالے ہیں
ہاں مگر ایک سب سے کاری یاد

توبہ توبہ یہ غیر ممکن ہے
آپ کو اور ہو ہماری یاد

چلو شاعر کی نظم کو نہ پڑھو
ورنہ کرنی پڑے گی ساری یاد

اب آگے جیت ہو یا ہار — ہر چہ بادا باد
لگا دیئے دل و دیں یار — ہر چہ بادا باد

تمہارے تیر کے دامن سے دل کے زخموں سے
بنائے دیتے ہیں گلزار — ہر چہ بادا باد

یہ خواب ناز یہ تنہائی پھر ملے نہ ملے
میں چوم لوں لب دلدار۔ مرحبا بادا باد

کہا یہ شانے نے زلفوں کے بل نکالوں گا
ہوا تو ہوں میں گنہگار۔ مرحبا بادا باد

بنائے تو کہ بگاڑے یہ تیرا شاعر ہے
تری خوشی اسے درکار مرحبا بادا باد

ردیف رائے مہملہ

دور چلتے ہی گھٹا چھا گئی میخواروں پر
اے تری شان یہ رحمت ہے گنہگاروں پر

کوئی پروا جو نہیں آپ کے رخساروں پر
چاندنی کھیت کئے جاتی ہے گلزاروں پر

لیگیا ضعف اڑا کر مجھے قید غم سے
ایک پرچھائیں سی پھرنے لگی دیواروں پر

حکم صیاد نہیں ہے کہ چمن میں آئیں
بلبلیں لوٹتی ہیں باغ کی دیواروں پر

یہ بھی پر نہ بجھی آتش رشک دشمن
صبح تک شام سے لوٹا کیا انگاروں پر

نہیں نکلا کسی گستاخ کا ارماں اچھا
نیل کیوں پڑ گئے ان پھول سے رخساروں پر

دو اجازت تو کلیجے سے لگا لوں رخسار
سینک لوں چوٹ جگر کی انہیں انگاروں پر

سچ تو ہے کیوں نہ زلیخا سے بگڑتے یوسف
ناز کرتے ہیں سبھی اپنے خریداروں پر

گھی کے جلتے رہے اغیار کے گھر میں شب وصل
میں یہاں رشک سے لوٹا کیا انگاروں پر

واہ شاعر سا بھی بھولا نہیں دنیا میں کوئی
آج پھر مان گیا آپ کے اقراروں پر

تم ٹھوکریں کھاؤ گے یونہی گھر سے نکل کر
للہ نہ جاؤ دل مضطر سے نکل کر

سرکار ہیں؟ پہچان لیا۔ بھانپ گئے ہم
یہ کون چلا ہے صف محشر سے نکل کر

تقدیر کا الطاف مقدر کی عنایت | یوں جاؤ گے اللہ برابر سے نکل کر
اغیار کے گھر جا کے نکلتے نہیں گھر سے | گھر بیٹھنا سیکھا ہے مرے گھر سے نکل کر

دامن میں مرے کیا گہر اشک ہیں شاعر
ہے موتیوں کا ڈھیر سمندر سے نکل کر

میں نے ڈھونڈا ابھی چراغ شب فرقت لیکر | اڑ گیا صبح کو خورشید قیامت لیکر
آپ آئیں تو سہی چاند سی صورت لیکر | دل میں دیدونگا مگر یوں نہیں قیمت لیکر
پھر چلا آیا ترا شوق زیارت لیکر | مثل موسیٰ نہ رہا اپنی سی صورت لیکر
خط کلائی پہ دوپٹے کی شکن نے ڈالے | اڑی جاتی ہے تجھے تیری نزاکت لیکر
نیل عارض پہ ہیں بد رنگ مسی بال کھلے | آئے ہو غیر کے گھر سے یہی صورت لیکر
کچھ نہ کچھ عالم ایجاد نے بخشا ہم کو | خالی ہاتھ آئے تھے اب جائینگے حسرت لیکر
داور حشر یہ قاتل نہیں قاتل میرا | چھوڑ دے اسکو مرے دل سے شہادت لیکر
مر کے بھی چین نہیں اے دل دیدار طلب | حسرتیں آج اڑی جاتی ہیں تربت لیکر
سو جگہ بیٹھ کے اٹھا ہوں ترے رستے میں | کبھی دو چار قدم آئی جو ہمت لیکر
یہی لے دے کے ہے اک میرے عزاداروں میں | پونچھ دو شمع کے آنسو گل تربت لیکر
زیب رفتار ہیں اس وقت ہزاروں فتنے | گھر سے نکلے ہو خدا رکھے قیامت لیکر

شاعر زار نہیں قدر سخن دنیا میں
شکر ہے خاک میں مل جائیں جو عزت لیکر

سہرے کی لہک پھول کی خوشبو نمِ شبنم
کاتب یہ خطِ شوق ہے اچھی ہو سیاہی
اُف ہوشِ محبت میں تری یاد بھی جو مے
سچ کہتے ہو دشمن کو عداوت نہیں مجھ سے

ہر رنگ میں ہوتے ہیں وہ انداز بدل کر
لکھنے کے لئے آنکھ کی پتلی مری جل کر
کر بیٹھے ہیں یہ کام بھی آپے سے نکل کر
کیوں بات کیا کرتے ہو ایمان نگل کر

چکر میں ہوں ہیں گردشِ تقدیر کے ہاتھوں
شاعر کہیں بیٹھا نہیں جاتا ہے سنبھل کر

اس قدر ہے حبیب کی خاطر
بن سنور کے وہ آپ آئے ہیں
گھر بلا کے کیا ہے قتل ہمیں
مر مٹا ہوں تری جدائی میں

بچھ گئے ہیں رقیب کی خاطر
آج کیجے نصیب کی خاطر
آپ نے بھی عجیب کی خاطر
زہر کھایا طبیب کی خاطر

دور جا کر نکلتے ہیں شاعر
ایسے یارِ قریب کی خاطر

جواہر نہ کیجے صدقے ہماری چشمِ گریاں پر
کسی کے عشق میں سینے پہ اتنے داغ کھائے ہیں
اُداسی چھائی ہے کیسی تری وحشی کے جانے سے
نہیں پامال کرنے آ نکلتے ہو مہینوں میں
مجھے بچپن ہی سے وحشت ہے مشقِ لام الف کی ہے
زمیں کی گود میں جا کر کفن کیا رنگ لائیگا

جگر کی آب کے موتی برستے ہیں گریباں پر
گماں پھولوں کی چادر کا ہوا چاکِ گریباں پر
کسی نے ہر طرف ھُو لکھ دیا دیوارِ زنداں پر
کبھی دو پھول بھی لاتے نہیں گورِ غریباں پر
مری آہنی کی صورت نقش ہے چاکِ گریباں پر
مری بے برگیاں ہنستی ہیں میرے ساز و ساماں پر

بہار آتے ہی پھر جوشِ جنوں کا زور ہے شاعر

نظر صحرا کی جانب ہاتھ پڑتا ہی گریباں پر

ردیف زائے

کیوں نہ پہچانے آدمی آواز
میرے دل میں اُتر ہی جاتی ہے
وہ رسیلی صدائیں اُس بُت کی
کب میسّر ہوئی ہے حوروں کو

چھپ نہیں سکتی شُبہ کی آواز
تیر سے کم نہیں تیری آواز
وہ سنتے ہیں رنگی ہوئی آواز
یہ قیامت کی یہ ہنسی - آواز

کس نے سیندور دیدیا شاعر
بیٹھی جاتی ہے آپ ہی آواز؟

دے مے تلخ و شعلہ ریز سے تیز
پائی پھولوں کی بھی مہک نہ کبھی
بوئے گل بنکے اُڑ نہ جاؤں گا
کیسا آندھی ہے ابلق ایام

تُند سے تُند اور تیز سے تیز
نکہتِ زُلف عطر بیز سے تیز
میں تو ہوں طاقتِ گریز سے تیز
کون کرتا ہے اسکو خیز سے تیز

ہوش کی لیجئے حضرتِ شاعر
آپ کی بات ہے ستیز سے تیز

ردیف سین مہملہ عربی

کیا رچہائے ہیں گلہائے چمن کی بوباس
اسلئے سونگھتا ہوں کھلتے ہوئے غنچوں کو

کہ اُڑائے ہوئے ہے عطر کفن کی بوباس
ملتی جُلتی سی ہے کچھ تیرے بدن کی بوباس

چھاونی چھائی وہیں اور وہیں ہو بیٹھے
پھانسی دیدۂ بجے گھنگرالے ہوئے بالوں سے

ہم نے پائی جو کہیں اپنے وطن کی بوباس
آخری سانس میں ہو مشک ختن کی بوباس

کیوں نہ شاعر کو کہیں داغ کا شاگرد رشید
بلبل ہند سے ملتی ہے سخن کی بوباس

اور ہی کچھ نہ رنگ لائے سانس
اب لگے یا کہ دو گھڑی کے بعد
غیر نے آکے پھر بھریں آہیں
جیتا ہے اِن کی ہوت پر انساں

جا کے آئے بھی یا نہ آئے سانس؟
آپ کیوں گنتے ہیں پرائے سانس؟
پھر مرے یار نے جمائے سانس
اُس نے کیا چیز ہیں بنائے سانس؟

دم گھٹا جورِ چرخ سے شاعر
اب یہ ضد ہے نہ لینے پائے سانس

دیکھ کر غیر کو اس بزم میں سرکار کے پاس
کس طرح بیٹھ سکے کوئی بھلا یار کے پاس
آج جی بھر کے تمہیں دیکھ لے پھر دم نکلے
ایسی بیر حمیاں صیاد کہ گھر سے لا کر
یہ چمن کا ہی تصور کہ قفس میں پھر دوں
ایک ٹھوکر کی ہے محتاج قیامت کیا ہے
تو اگر بخش دے رحمت ہی نہیں تو خالق

آگ کے پاس کبھی ہوں کبھی تلوار کے پاس
بجلیاں کوندتی ہیں جا نہ سی رخسار کے پاس
دو گھڑی اور ذرا بیٹھئے بیمار کے پاس
ذبح کرتا ہے مجھے باغ کی دیوار کے پاس
ڈالیاں جھومتی ہیں مرغِ گرفتار کے پاس
مانگنے آتی ہے فتنے تری رفتار کے پاس
اور توبہ کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس

کوئی بگڑا کرے شاعر ہمیں پیار آتا ہے
اب تمہیں ہوئے ہیں یاروں سے لب یار کے پاس

ردیف شین معجمہ

کس کا آرام اور کس کا عیش؟
پھول کانٹوں میں کھل کے مرجھایا
ہوگیا ہر نشے کے بعد خمار
یوں ہی سی دیر بعد کچھ بھی نہیں

کھو دیا ایک غم نے سارا عیش
اسکی قسمت میں بس یہی تھا عیش
دیر پا کب رہا ہے جھوٹا عیش
اک جھونکا سا ہے ہوا کا عیش

چین تھا ماں کے پیٹ میں شاعر
آنکھ کھولی تو پھر نہ دیکھا عیش

اُف رے تیری نگاہ کی گردش!
راس آئی نہ ایک دن ہم کو
کعبے سے دیر۔ دیر سے کعبہ
ہائے رے جنبشِ مژہ تیری

دل نے پہلو میں آہ کی۔ گردش!
فلک کینہ خواہ کی گردش
مار ڈالے نہ راہ کی گردش؟
نچ رہی ہے سیاہ کی گردش

زار سے بڑھ کے تم نہیں شاعر
دیکھ لی بادشاہ کی گردش

ردیف صاد مہملہ

اس طرح کی نہیں تھی پہلے حرص
غیر تم سے بھی اور سے بھی ملے
زندگی ہے ہزار غم کا نام

بڑھ گئی عمر بڑھتے بڑھتے حرص
اسکو کہتے ہیں۔ آپ سمجھے حرص؟
اور پھر اس کی اس طرح سے حرص

دیر تھی ایک ہی گناہ کی بس
پڑ گئی پھر تو میرے پیچھے حرص

توڑ کر پاؤں بیٹھ جا شاعر
اب تو کمبخت چھوڑ بھی دے حرص

ردیف ضاد معجمہ

یوں ہوا مجھ کو اُن جناب سے فیض
ہٹ بھی جائے کبھی گھڑی بھر کو
بھر لیے پھول اپنے دامن میں
منتیں کیں تو اور روٹھ گئے

جیسے ذرّوں کو آفتاب سے فیض
کچھ تو ہو آپ کی نقاب سے فیض
یہ ہوا رنگِ اشکِ ناب سے فیض
ہم نے پایا یہ اضطراب سے فیض

خاکسارِ زمانہ ہوں شاعر
مجھ کو پہنچا ابو تراب سے فیض

ردیف طاء مہملہ

جس قدر ممکن ہو اچھی احتیاط
زیرِ سرِ زانو جو رکھا تو کہا
رات دن اُنکو چھپنا چھپن سے غرض
صبر کر اے دل خدا کے واسطے

چاہئے ہر شے میں پوری احتیاط
رہنے دیجئے آپ اپنی احتیاط
زندہ قوموں کی ہے چاندی احتیاط
ہائے ظالم اک ذرا سی احتیاط

اس نے حفظِ ما تقدم بھی سُنا
پھر بھی شاعر کو نہ آئی احتیاط

اُنکو بھیجا ہے ہم نے اپنا خط
کورے کاغذ پہ ہیں لکیریں سی
مصر کی سلطنت بھی ملتی ہے
اب اُنہیں ادعائے شعر ہوا

جو نہیں جانتے ہیں کیسا خط؟
لکھ کے بھیجا ہے میر الکھا خط
کام دے جاتا ہے کچھ اچھا خط
پڑھ نہیں سکتے جو کہ اپنا خط

شاعر اب کے جواب لے لینا
غیر کے خط میں رنگ دیا ہے خط

کب سنا ہم نے کب بیانِ نشاط؟
رونے دیکھے ہیں زار زار اکثر
ہائے اک چیز تھا خدا کی قسم
میرے زخمِ لبِ گزیدہ کو

اب تو کہتے ہیں نوحہ خوانِ نشاط
مسکرائیں نہ مہوشانِ نشاط
دو گھڑی جب ہوا گمانِ نشاط
جلتے ہیں نمک چشانِ نشاط

چلو بیٹھو بھی حضرت شاعر
دور جا پہنچا کاروانِ نشاط

گنگا جمنی ردیفیں

خود نہو جو آپ میں اس کی خودی کی کیا بساط
جان کو کیا جانتے ہو جان کس کی جان ہے
جب کسی کی چال چل جائیگی سب کو مات ہے

آدمی کیا چیز ہے یہ آدمی کی کیا بساط؟
اک ذرا سی دل لگی ہر دل لگی کی کیا بساط
مہر و مہ کا کھیل کیا ہے چرخ ہی کی کیا بساط

دیکھ تو پروانے کو شاعر غضب کی چیز ہے
آگ میں گرتا ہے ظالم - اِسکی کیا بساط

غم ہوئے پر بھی رہا ابروئے خمدار سے ربط
اس ضعیفی میں بھی یاروں کو ہی تلوار سے ربط

دل کی قیمت نہ چکی تھی کہ نگاہیں پھیریں
تم تو رکھتے ہی نہیں طالب دیدار سے ربط

دل گئی ہے تری شوخی بھی شکر رنجی میں
ابتو اقرار سے انکار ہی انکار سے ربط

اُس کی قدرت میں نہیں ہیں کونسی قدرت شاعر؟
وہ اگر چاہے تو ہو جائے ابھی یار سے ربط

ہو گئے پار ہمارے دلِ دلگیر کے خط
خوب نقاش نے کھینچے تری تصویر کے خط

بات کرتے ہیں یہ جنبش تو ذرا ابرو کو
پڑ گئے ہیں مرے دل پر کبھی شمشیر کے خط

کیا عجب ہی جو محبت کی بر آئے بڑھ جائے
ابتو آنے لگے ہیں اُس بت بے پیر کے خط

کوئی کیسا ہے - کوئی کیسا ہی اللہ اللہ!
ایک ہو کر نہیں ملتے تری تحریر کے خط

ہے ادھر ہی سے گیا شاعر دیوانہ مزاج
مضطرب نقش قدم ہیں کہیں زنجیر کے خط

اب نہیں ہے کسی حسین سے ربط
خاک ہو کر ہوا زمین سے ربط

اپنا مذہب ہی کچھ نرالا ہے
کفر سے لاگ ہے نہ دین سے ربط

پھیرے دیتے ہو دل زہے تقدیر
آجکل ہے کسی امین سے ربط

بوریا فرش بے ریائی ہے
کیا غریبوں کو شہ نشین سے ربط

آب و گل کی یہ رنگتیں شاعر
خوب چمکایا ما و طین سے ربط

ردیف ظا معجمہ

دل کو مرغوب ہیں تمہارے لفظ
پھر سناؤ پیارے پیارے لفظ

بات اُس کی ہے موتیوں کی لڑی
غیر نے کچھ کہا - کہا ہوگا؟
آئینے ہیں خیال کے دل میں

دُرِ دنداں نے کیا سنوارے لفظ
نہ ہمارے نہ ہیں تمہارے لفظ
دل کے منشا کے ہیں اشارے لفظ

شاعر اتنا گنہگار ہے تو
لکھ نہیں سکتے جسکو سارے لفظ

اب نہیں کوئی اشتباہ ہیں غیظ
کس پہ برسے برس کے آئے ہو
ظلم کرنا کھلا ہے محشر میں
اب نہیں کوئی زندگی اپنی

غیظ ہے یار کی نگاہ میں غیظ
آگیا ذرہ ہائے راہ میں غیظ
کھچکے آیا جواب گواہ میں غیظ
آہ میں غیظ واہ واہ میں غیظ

دل پھنسایا تو کچھ سنو شاعر
کوئی کرتا نہیں ہے چاہ میں غیظ

تم خفا ہو تو ہو خدا حافظ
کون بیٹھے مریضِ غم کے پاس
ہم بھی رو کر وداع ہوں تم سے
پھر تو کیسی کا بھی نہیں کھٹکا

لو مری جان لو - خدا حافظ
اُٹھ چلے - خوش رہو - خدا حافظ
تم بھی ہنس کر کہو - خدا حافظ
ہوگیا یار! جو خدا حافظ

شاعر اک غمگسار ہے اپنا
آپ جاتے ہیں تو خدا حافظ

ہوگیا مجھ سے دل لگی میں لحاظ
تیغ ابرو سے کر دیا گھائل

ورنہ نہیں - اور اِس صدی میں لحاظ!
دیکھیئے - کر کے سر کشی میں لحاظ

لاکھ میں ایک کوئی نکلے گا ۔ کون کرتا ہے مفلسی میں لحاظ

سر سے اونچا ہوا جہاں شاعر
پھر نہیں چاہئے کسی سے لحاظ

ردیفِ عین مہملہ

ہو گیا اُس کے غم میں تارِ شعاع ۔ جس سے اُٹھے کبھی نہ بارِ شعاع

میں نے چومے ہیں چاند سے رخسار ۔ مجھ سے پوچھے کوئی بہارِ شعاع

ایک جلوے میں گر پڑے موسےٰ ۔ کر گیا کام عشوہ کارِ شعاع

دل صد چاک عشقِ عارض چھوڑ ۔ نہیں بچتا ہے زخمدارِ شعاع

دلِ دشمن دو نیم ہے شاعر
عکسِ مطلع ہے ذو الفقارِ شعاع

ردیفِ غین معجمہ

جل جل کے گُل کیا تو فقط نے چراغِ داغ ۔ لیکن ہمارے ہی رہا رنگِ باغِ داغ

اے دل ہیں اب نہ مہر و محبّت کا ذکر کر ۔ اُٹھینگے زخم کس سے کہ ہے دماغِ داغ

جب مُنہ سے نکلی دل کا دھواں بنکے نکلی ہے ۔ اے آہ تو نے خوب نکالا سراغِ داغ

زیور ہیں کچھ بتوں ہی کے رخسار پر نہ تِل ۔ دھبّا ہی چاند کے لئے ورنہ فراغِ داغ

شاعر کسے دکھاؤں غزل ہائے کیا کروں
میرے تو دل سے جا نہیں سکتا ہے داغِ داغ

ردیف فا

میں دیکھتا ہوں مطلع رخسار کی طرف
وہ دیکھتے ہیں سایۂ دیوار کی طرف

اس نے ہی دل کا خون کیا ہی یقین ہی
جھوٹا نہیں گمان لب یار کی طرف

میں نے جو عرض وصل میں تکرار کی بہت
دیکھا کبھی مجھے کبھی تلوار کی طرف

حیران ہوں کہ ایک اکیلا میں کیا کروں
ساری خدائی ہوگئی ہی یار کی طرف

شاعر میں جانتا ہوں ترا آہ کھینچنا
مصرعہ جھکا ہوا ہے قدِ یار کی طرف

ردیف قاف

کیا کہوں تم سے کیا بلا ہے عشق
میری رگ رگ میں بھر دیا ہی عشق

بو الہوس جانے کیا محبت کو
کھرے کھوٹے کو جانچتا ہی عشق

خاک میں مل گیا جو میں۔ تو کہا
سر چڑھے۔ اس لئے چڑھا ہی عشق

جان جھونکے تو مثلِ پروانہ
اُس سے سیکھے جو سیکھنا ہی عشق

میں کہیں کا نہیں رہا شاعر
مجھ کو برباد کر گیا ہے عشق

ردیف کافِ تازی

اثر آہوں نے چمکایا یہاں تک
جلا دی اس نے تو میری زباں تک

شبِ غم کس قدر ہے لطف انگیز
کہ زاہد بھولا بیٹھا ہے اذاں تک

نہ چھیڑو اب شکستہ خاطروں کو
کوئی غمزے اُٹھائیگا کہاں تک

بہار آنے تو دے صیّاد ابکے
قفس کو لے اُڑونگا بوستاں تک

مری اُفتادگی - کیا کہنے تیرے
نہ پہنچا اُڑ کے گردِ کارواں تک

ملا ہے چاکِ دل چاکِ جگر سے
بڑھا ہے زخم کا دامن کہاں تک

ہزل سے کم نہیں یہ رنگ شاعر
غزل تھی بُلبلِ ہندوستاں تک

مہک پہنچی وُہ اُس تیرِ نظر تک
وُہ چٹکے غُنچۂ زخمِ جگر تک

بلا سے راہ میں تو بات ہوگی
چلو چلتا ہُوں میں دُشمن کے گھر تک

الٰہی آتشِ اُلفت بھی کیا ہے
لگی تھی دِل سے پہنچی ہے جگر تک

نہ نکلا ایک دم ہی تو شبِ غم
نہیں مر مر گیا ہُوں میں سحر تک

کہاں سے چودھویں کا چاند نکلا
کہ روشن ہوگئے ہیں بام و در تک

اُسے انسان ہو کر بھول جائے
کہ جس کو یاد رکھیں جانور تک

بچایا ہر طرح سے ناخُدا نے
لگی ہے جب مری کشتی بھنور تک

مری آہوں نے کیا کیا دِل ہلائے
ہلایا بھی نہ اُس ظالم نے سر تک

گُذاری عُمر سب غفلت میں شاعر
نہ آیا بے ہُنر تجھ کو ہُنر تک

ردیفِ لام

اُف رے سوزش، عذاب ہے بالکل | دلِ ہمارا کباب ہے بالکل
اک ستمگر پہ ہم بھی مرتے ہیں؟ | آپ کا سا شباب ہے بالکل
ٹھیس لگتے ہی ٹوٹ جائے گا | شیشۂ دل حباب ہے بالکل
واہ رے مستیاں جوانی کی | سادہ پانی شراب ہے بالکل

کیا بتائیں طریق شاعر کا
بندۂ بوتراب ہے بالکل

ڈھلے جا رہے جیسی شراب اوّل اوّل | سمجھتا ہے رندِ خراب اوّل اوّل؟
نہ کیوں گالیاں کھا کے ہونٹ اس کے چوموں؟ | کہ دیتی ہے تلخی شراب اوّل اوّل
خدا کے لئے منہ چھپاؤ نہ اپنا | ہوئی ہے نظر کامیاب اوّل اوّل
جو آنکھوں نے دیکھا ہے وہ پھر نہ دیکھا | نہ پوچھو کہ کیا تھا شباب اوّل اوّل

ابھی تم کو تکمیلِ فن کیسی شاعر
بہت مشکلیں ہیں جناب اوّل اوّل

کہاں ہے کوئی آنے جانے کے قابل | رہا ہی نہیں دل لگانے کے قابل
مٹی حسرتیں۔ نکلے پڑتے ہیں آنسو | کوئی بات بھی ہو سنانے کے قابل
چلے آیئے دل میں بھی رہتے بستے | یہاں اک چمن ہے دکھانے کے قابل
ترا اٹھتا جوبن۔ کہ بےچین نظریں | کوئی چیز ہو اگدگدانے کے قابل

ہزاروں سبق مل چکے تجھ کو شاعر

ہوا ہی نہیں تو زمانے کے قابل

قدغن کیا ہی کس نے بہلنے نہ پائی دل
کیا ہو گیا خدا کے لیے تجھ کو ہائی دل

وہ بھی کہیں چین سے دم بھر کو رہ سکا
دنیا میں جس نے آکے سنا ہی برائی دل

کس طرح جی سکے کوئی کس طرح سہہ سکے
رہ رہ کے! آئے دل کی جو کڑیاں اٹھائی دل

عشاق کو ہی موت میں بھی زیست کا مزا
اک زخم سے جو درد کے تو لطف پائی دل

دنیا عجب مقام ہی شاعر خدا گواہ
اس میں مآل سوچ سمجھ کر لگائے دل

ردیف میم

فصل بہار اور گلستانوں میں ہم
جوش جنوں سی اُڑ چلے جولانیوں میں ہم

کہتے ہیں تیرے دل میں نہ اب جا کے آئینگے
رہتے ہیں رات دن کی نگہبانیوں میں ہم

وحشت نے سیدھی چاک گریباں کی راہ لی
پوشیدہ ہوتے جاتے ہیں عریانیوں میں ہم

چارہ نہیں ہے اے دل خود رفتہ کیا کریں
آئینہ بن گئے تری حیرانیوں میں ہم

شاعر عزیز مصر بھی اس کا غلام ہے
یوسف جو بکتے جاتے ہیں کنعانیوں میں ہم

ردیف نون

واہ! کیا خنجر قاتل میں مزے ملتے ہیں
جی نہیں مانتا اُٹھ اُٹھ کے گلے ملتے ہیں

بسمل ناز نہ آغوش کے معنی سمجھے
گلے ملتے ہیں تو خنجر سے گلے ملتے ہیں

سینہ سینے سے نہ مل جائے گلے ملتے ہیں
ہائے ان سیمتنوں کی یہ جفائیں توبہ

عید ملتے ہیں تو ہٹ ہٹ کے پرے ملتے ہیں
ہم کو جو ملتے ہیں قسمت سے کھرے ملتے ہیں

موسمِ گل میں خزاں آگئی شاعرؔ سنبھلو
چارہ گر کہتا ہے سب زخم ہرے ملتے ہیں

کیا ہوا آپ جو شمشیر بنے بیٹھے ہیں
روز فرماتے ہیں ہم چاہیں تو مٹ جاؤ ابھی
ہم نے جب یاد کیا آپ نہیں تھی گویا
نہ اٹھاؤ ہمیں سرکار کا کیا لیتے ہیں

ہم بھی تو موت کی تصویر بنے بیٹھے ہیں
دیکھنا کیا مری تقدیر بنے بیٹھے ہیں
آپ بھی آہ کی تاثیر بنے بیٹھے ہیں
محوِ دیدار ہیں تصویر بنے بیٹھے ہیں

اس جگہ آ کے تو گردش ہی رہی ہے شاعرؔ
گھر میں بھی حلقۂ زنجیر بنے بیٹھے ہیں

تری برقِ تجلی چھپ نہیں سکتی ہزاروں میں
کوئی اتنا نہیں پہچانے میرے سوگواروں میں
ہمیں پردو نہ پھینکو ہم کلیجے سے لگا لینگے
قیامت کے ترے وعدے ہیں جو ایفا نہیں ہوتے

وہی اک رنگ شعلوں میں پتنگوں میں شراروں میں
کہ اب تک حسرتیں ٹکراتی پھرتی ہیں مزاروں میں
تمہارے جسم کی خوشبو بسی ہے باسی ہاروں میں
مرے جاتے ہیں ہم تو رات دن کے انتظاروں میں

کہاں تھے حضرتِ شاعرؔ کدھر رندوں میں آ نکلے
بڑی مدت میں دیکھا ہے تمہیں پرہیزگاروں میں

جب مری بات کا جواب نہیں
دردِ سر نے مٹا دیا ساقی
یاس کہتی ہے ساتھ جاؤں گی

کیوں نہ سمجھوں کہ پھر عتاب نہیں
منہ لگانے کو بھی شراب نہیں
زندگی پر مرا حساب نہیں

کوستے ہیں ستانیوالے کو
آپ سے تو کوئی خطاب نہیں

اب غزل گو کوئی نہیں شاعر
اس لئے تیرا بھی جواب نہیں

پھر نظر آئے ترے درد کے پہلو دل میں
چٹکیاں لینے لگی جنبشِ ابرو دل میں

سوزِ فرقت نہ بجھے گا کسی پہلو دل میں
کاش آنکھوں سے برسنے لگیں آنسو دل میں

کیا بتاؤں غمِ دشمن میں وہ رو دے کیونکر
پھر رہے ہیں اُسی انداز سے آنسو دل میں

آبلے پھوٹ کے کیوں سوزِ جگر پر نہ ہنسیں
اس لگی کو یہ لگا رکھے ہیں آنسو دل میں

پھر وہی ٹیس وہی درد وہی بےچینی
چارہ گر آگ لگا دے کسی پہلو دل میں

آپ شمشیر نکالیں تو تماشہ دیکھیں
سوچ لونگا میں تڑپ جانیکے پہلو دل میں

شاعرِ زار کہاں مشقِ سخن پہلی سی
ڈھونڈھتا پھرتا ہوں ہر شعر کے پہلو دل میں

آنسو ملے ہوئے ہیں مری خونِ ناب میں
پیتا ہوں میں گلاب ملا کر شراب میں

بجلی کا نیل پڑ گیا عارض پہ چاب میں
دھبا لگا دیا ورقِ آفتاب میں

سر لیکے چلنا تھا مجھے قاتل کے ساتھ ساتھ
آدابِ عشق بھول گیا اضطراب میں

اے بادشاہِ حسن نہ قدموں سے دور کر
کام آئینگے ان آنکھوں کے حلقے رکاب میں

سینے پہ ہے یہ خنجر سے کس چیز کی نمود
بچپن کی چوٹ ہے کہ جو اُبھری شباب میں

نازاں انکو اپنی بُرشِ ابرو پہ جب ہوا
میں نے بھی دل کے ٹکڑے دکھائے جواب میں

شاعر یہاں تو ایک کی ہے دوسرے کو فکر
رکھا ہی کیا ہے اس جہانِ خراب میں

بلا سے انہیں پیار کر دیکھتے ہیں
جو ایسا ہی مرنا ہے مر دیکھتے ہیں

نشیلی نشیلی ان آنکھوں نے مارا
مجھے آپ کیوں جھوم کر دیکھتے ہیں

ہنسی آتی ہے اُس کی محرومیوں پر
دُعا کو جو ہم عرش پر دیکھتے ہیں

کلیجہ مرا چھد گیا۔ تیر پر سے
اسی طرح او فتنہ گر دیکھتے ہیں

کسی دن بھی وہ اشک اُنکے نہ نکلے
تجھے کب سے دردِ جگر دیکھتے ہیں

زباں داں بنے جاتے ہیں لوگ شاعر
ہم ایک اک کی چتون۔ نظر دیکھتے ہیں

محفل میں حسین بھی ہیں تجھے فتنہ گر کہیں
دل ہے کہیں خیال کہیں ہے۔ نظر کہیں

آہستہ چل خدا کیلئے پس گئے ہیں دل
محشر کی چال چلتی ہیں او فتنہ گر کہیں

فتنوں کا ہے شمار قدم گنتے چلتے ہو
اونچی نہ ہونے پائے یہ نیچی نظر کہیں

ہم جان بیچتا بھی تو لے لیتے شوق سے
بکتا ہو جو ہماری دُعا کا اثر کہیں

عارض پہ مرمٹا کبھی گیسو میں جا پھنسا
دل کی ہماری شام کہیں ہے سحر کہیں

ہاں ہاں لگا دو تیر نظر کا دل کی ہوئی
مٹ سکتی ہے یہ لذتِ زخمِ جگر کہیں

دلی کے لطف شاعرِ خستہ کہاں نصیب
وہ صحبتیں جو دیکھ سکے عمر بھر کہیں

نام کو بھی تسکیں دلِ مضطر میں نہیں
موت ہی آئے جو تم میرے مقدر میں نہیں

نگہ مست سے پھر مجھ کو بنا دو بیخود
کیا مئے ہوش رُبا آپ کے ساغر میں نہیں

شمع ساں گھٹتی ہے جل جل کے بسر کرتا ہوں
میرے دل کے سے شرارے کسی پتھر میں نہیں

عارضِ پاکِ محمد کی ثنا کرتا ہوں
میں نے وہ رنگ اڑائے جو گلِ تر میں نہیں

ناتواں ہو کے نگاہوں سے چھپا جاتا ہوں | دیکھنا بالِ ہما تو میرے بستر میں نہیں

کیوں نہ میں اس تری وعدے کو زبانی سمجھوں | تیری چتون میں نہیں ہے تیرے تیور میں نہیں

تم نہ سمجھے تھے کہ پابوسیاں کیا کرتی ہیں | ہم نہ کہتے تھے کہ بیمار گھڑی بھر میں نہیں

پس گیا ایک زمانہ تری رفتاروں سے | اب بھی کہدے کہ قیامت میری ٹھوکر میں نہیں

اپنی نیند اٹھتا ہے **شاعرؔ** یہ غنیمت سمجھو
شکر ہے اس کا کہ اب زلف کے چکر میں نہیں

ہم کو جب دیکھئے ہم دست بدل رہتے ہیں | ہائے یہ لطف کبھی قسمت سے ہی مل رہتے ہیں

توڑ کر پھینک دیا شیشۂ ساعت کی طرح | واہ کیا کہنے اسی طرح سے دل رہتے ہیں

درد اٹھتا ہی تو رہ رہ کے نہ اٹھے یارب | آئے دل کے اسی طرح سے جھیل رہتے ہیں

صبح کیا چیز ہے دن کیا ہے شفق کیا شب کیا | یہ ترے رنگ ہیں ہر رنگ کے کھل رہتے ہیں

کوئی قسمت سے چمک جاتا ہے **شاعرؔ** ورنہ
یہاں انسان بہت خاک میں مل رہتے ہیں

شب وصل کیا ان سے جلسے رہے ہیں | تماشے رہے ہیں تماشے رہے ہیں

وہی خاک میں مل گئے سب سے پہلے | جنہیں حسن و خوبی کے دعوے رہے ہیں

برابر نہیں تیری دانتوں کے گوہر | یہ بوجھل بنے پر بھی ہلکے رہے ہیں

رقیبوں سے اک دن بھی چھپنا نہ آیا | ہمیں سے تمہیں لاکھ پردے رہے ہیں

جنہیں ہم کبھی منہ لگاتے نہ **شاعرؔ**
وہی اب ہمیں گالیاں دے رہے ہیں

موقوف کچھ اسی پہ نہیں اور کتنے تو ہیں | اے دل خدا کو مان حسیں اور بھی تو ہیں؟

آبِ رواں سی ہٹئے ڈوپٹہ سنبھالئے
غیروں کو بھی طفیلِ نظارہ نصیب ہو
کب تک مجھی پہ فتنے اُٹھائیگا راز دن

ایسے حبابِ بحر کہیں اَور بھی تو ہیں؟
مشتاق اِک ہمیں تو نہیں اَور بھی تو ہیں؟
او آسمان اہلِ زمیں اَور بھی تو ہیں؟

شاعرؔ تری زبان کے قُربان جائیے
دِلّی میں کہنے والے نہیں اَور بھی تو ہیں؟

کھیلتے کھیلتے سنبھلا ہی کسی کا جوبن
بالیاں پھولوں سی بھر کر جو پہن لیں تو نے
پھر کہاں موسمِ گُل دید کے چرچے کیسے
فائدہ کیا ہی دوپٹہ سے چھُپیگا کوئی

ہائے رے اُٹھتی جوانی کا اُبھرتا جوبن!
تازگی بڑھ گئی پھولوں نہ سمایا جوبن
چار دن لُوٹ لے او بُلبُلِ شیدا جوبن!
میری آنکھوں سی ذرا دیکھ وہ اُبھرا جوبن

خط نہیں یار کے عارض پہ مگر ہاں اَشاعرؔ
اپنے ماتم میں سیہ پوش ہی اُس کا جوبن

وعدہ نبھے کبھی آجائیے انسانوں میں
دونوں ہاتھوں سے دوپٹّہ کا نہ سنبھلا آنچل
ایسی بجلی کو کلیجے سے لگائے رکھوں
میری آنکھیں مرے ساقی نی گُلابی کیا ہیں
بس چلو ہو چکا اِتنا نہیں بنتی۔ توبہ
ہمیں وحشت ہمیں سودا ہی جنوں ہی ہم کو
ماشاءاللہ! رقیبوں کا یہ جھگھٹ آہا

ورنہ یہ جان چلی روز کے ارمانوں میں
رہنے دو درد نہو جائے کہیں شانوں میں
پھونک دے آگ اگر غیر کے ارمانوں میں
بیخودی کُوٹ کے بھری مرے پیمانوں میں
دیکھنا رات گذر جائے نہ سامانوں میں
وُہ پریشان ہوں کیوں آکے پریشانوں میں
آج تو شمع بنے بیٹھے ہو پروانوں میں

کون واقف نہیں شاعرؔ سے زمانہ واقف

لوگ یہ نام لیا کرتے ہیں افسانوں میں

کبھی آنکھوں میں بستی ہیں کبھی وہ دل میں رہتی ہیں
بڑے بے چین ہیں ہم تو بڑی مشکل میں رہتی ہیں

قسم کھالی ہے کیا دل سے نکلنے کی خدا سمجھے
بھلا سرکار کیوں اُجڑی ہوئی منزل میں رہتی ہیں

الٰہی کیا کریں کیونکر جئیں آخر کہاں جائیں
کہ ارماں تیر بن بن کر ہمارے دل میں رہتی ہیں

کسی کو آہ و زاری ہے کسی کو بیقراری ہے
بڑے جلسے بڑے چرچے تری محفل میں رہتے ہیں

قیامت تک جنہیں دل سے نکلنے کی مناہی تھی
وہ ارمان خاک ہو کر کوچۂ قاتل میں رہتے ہیں

تعجب ہے نہ نکلی قیس کی فریاد پر لیلیٰ
وفا والے کہیں یوں پردۂ محمل میں رہتے ہیں؟

اُدھر جو دیکھتا ہے وہ اِدھر بھی دیکھ لیتا ہے
تری تصویر بنکر ہم تری محفل میں رہتے ہیں

دو رنگی سے جہاں کی کچھ عجب ترکیب ہے شاعر
کبھی آسانیوں میں ہیں کبھی مشکل میں رہتے ہیں

تیر بنکر ترے ارمان چلے آتے ہیں
پھر مری موت کے سامان چلے آتے ہیں

کیا غضب ہو گیا دم بھر نہیں تھمتا آنسو
آج طوفان پہ طوفان چلے آتے ہیں

تیرے کوچے میں بھی سفاک عجب عالم ہے
سینکڑوں چاک گریبان چلے آتے ہیں

تم مرے دل میں بھلا کون تھے آنیوالے
دیکھنا جان نہ پہچان چلے آتے ہیں

کیونکہ اِصلاح کریں کیونکہ بنائیں شاعر
ابتو دیوان پہ دیوان چلے آتے ہیں

چھانٹ کر ظلم کریں جانچ کے بیداد کریں
ہر طرح ہم تو ہیں موجود وہ دل شاد کریں

ہم تمہیں یاد بھی آئیں تو کبھی بھولے سے
تم ہمیں بھول بھی جاؤ تو بہت یاد کریں

پہلے یہ حکم تھا آواز نہ نکلے منہ سے
اب یہ ضد ہے کہ تڑپتے ہوئے فریاد کریں

وہ اگر پہلو سے اُٹھیں تو ہزاروں پہلو
ہم اُنہیں بھول کے بیٹھیں تو کیسے یاد کریں

جان آجائیگی اے ابرِ کرم رحمت کر
میری مٹی نہ بگولے کہیں برباد کریں

جھلملاتا ہی مرا داغِ جگر آہوں سے
تیز جھونکے نہ کہیں شمع کو برباد کریں

اُنگلیوں پر وہ گنا کرتے ہیں گنتی ہر روز
کہدیا کس نے کہ جن جن کے ستم یاد کریں

اُنگلیاں شاعرِ خستہ پہ اُٹھیں محشر میں
یا علی آپ جو آکر مری امداد کریں

بس خدا کے واسطے بس چار آنکھیں ہوگئیں
مر مٹا میرے جگر کے پار آنکھیں ہوگئیں

اِس محبت کا بُرا ہو کچھ نہ اُن سے کہہ سکے
سب گلے جاتے رہے جب چار آنکھیں ہوگئیں

رات دن اک اضطرارِ شوق رہتا ہی ہمیں
تیری آنکھیں سیکھ کر بیمار آنکھیں ہوگئیں

دیکھنے والو اُنہیں رستہ تو چلنے دو کہیں
نازکی سے ہر قدم پر بار آنکھیں ہوگئیں

روتے روتے غم میں شاعر اک گلابی پوش کے
چار دن میں خانۂ خمار آنکھیں ہوگئیں

کیا بُرا لپکا ہی شاعر ہوش میں آؤ ذرا
ہر کسی کی دید پر تیار آنکھیں ہوگئیں

تم کیا سنو گے واہ ستمگر سے کیا کہیں
ہاں کوئی اہلِ درد ہو پتھر سے کیا کہیں

دامن پہ اُنکے خون ہی مجھ بیگناہ کا
شرمندہ ہیں کہ داورِ محشر سے کیا کہیں

پھرتا نہیں کبھی جو کسی طرح دن پھریں
یہ بھی تری نظر ہے مقدر سے کیا کہیں

جادو تھی وُہ نگاہ تبسم شرار تھا
مارا ہی اُس نے ڈیڑھ ہی انچھ سے کیا کہیں

فقرے کسے نہ غیر کی خاطر سے بزم میں
دل ہیں اُترتے جاتے ہیں نشتر سے کیا کہیں

ارمان مرنے دیں بھی کہیں دم کے ساتھ ہیں
ہم تو اُبھر بھی جائیں بھرے گھر سے کیا کہیں

لایا ہوں آج اُن کو تصوّر میں کھینچ کر
تر بھر ہیں چھینٹے ہیں برابر سے کیا کہیں

ایسا ہو جو بلائیں بھی لے اور خط بھی دے
بیچارہ جانور ہے کبوتر سے کیا کہیں

کس مُنہہ سے مانگیں جام کہ اپنا تو منہہ نہیں
چھپکے کھڑے ہیں ساقیٔ کوثر سے کیا کہیں

شاعر ہمارا گو یہ مقدّر کی بات ہے
ناداں سے کیا گِلا کریں نیّر سے کیا کہیں

تم تک آ بھی نہ سکوں تم کو بُلا بھی نہ سکوں
یہ تو کچھ ایسی بُری ہے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں

نقشِ ہستی مرا دم بھر میں فنا ہوتا ہے
تیری حسرت تو نہیں ہے کہ مٹا بھی نہ سکوں

ایسی بھی وہ خلش دی ہے ترے تیروں نے
دِل میں رکھ بھی نہ سکوں جان سے جا بھی نہ سکوں

میں کھٹکتا ہی رہا کرتا ہوں اغیاروں کو
تمسا نازک ہوں جو نظروں میں سما بھی نہ سکوں

ہلکی ہلکی وہ پلا ساقیٔ مہوش مجھ کو
مست رہ بھی نہ سکوں ہوش میں آ بھی نہ سکوں

آنکھیں مَلکر ترے تلووں سے اُٹھالوں گا نصیبے
میری تقدیر نہیں ہے کہ جگا بھی نہ سکوں

تم کو اکسیر مُبارک رہے دولتمند و
میں وہ ہوں خاک جو نظروں میں سما بھی نہ سکوں

صفحۂ دہر سے کس طرح مٹے گریۂ خوں
حرفِ نم ہے کہ جو کاغذ سے اُٹھا بھی نہ سکوں

شکوۂ ظلم بھی اس درجہ گراں ہے شاعر
راز کی طرح زباں تک جسے لا بھی نہ سکوں

ایک دن جان میری کاوشِ مژگاں میں نہیں
یہ کھٹک وہ ہے کہ جو تیر کے پیکاں میں نہیں

آپ چاہیں تو ابھی دن میرے پھر جاتے ہیں
کونسی بات ہے جو آپ کے امکاں میں نہیں

او جنوں ہوش کی لے دست درازی کب تک
دیکھ لے اب تو کوئی تار گریباں میں نہیں

آہوئے چشمِ پیمبر کا میں دیوانہ ہوں
قیس کی گرد بھی تو میرے بیاباں میں نہیں

اور بل کھا گئیں کھلتے ہی لٹیں شانے پر
کوئی کیا برش خنجر کے مزے لوٹ سکے
چار دن کی ہی جوانی اسے کیا سمجھے ہو؟
روح کو تن سے نکلتے ہوئے موت آتی ہے

کونسا پیچ تری زلف پریشاں میں نہیں
روشنی بھی تو ہلال شب ہجراں میں نہیں
روز جوبن پہ کوئی پھول گلستاں میں نہیں
یہ وہ قیدی ہے اذیت جسے زنداں میں نہیں

ابھی دو دن ہوئے **شاعر** تو بھلا چنگا تھا
سانس کا کھیل ہے بس کچھ بھی تو انساں میں نہیں

جو ترے سامنے ہو آتے ہیں
ہو تواضع کوئی ساغر کہ نہ ہو
تو وہاں بھی نہیں ملتا اے دل
دل پہ مرتے ہیں یہ پیکاں تیرے
جب کبھی ہم نے بلایا ان کو
ہم انہیں پر تو فدا ہیں شاعر

دل و دیں جان کے کھو آتے ہیں
در میخانہ پہ ہو آتے ہیں
ہم تری جان کو رو آتے ہیں
ایک جاتا ہے تو دو آتے ہیں
یہی کہتے ہیں کہو۔ آتے ہیں
جھومتے جھامتے جو آتے ہیں

جب کہیں شعر سنائے **شاعر**
آپ لڑیاں سی پرو آتے ہیں

کیا کہیں اب وہ رسم و راہ نہیں
تیرے ہاتھوں کہیں پناہ نہیں
آدمی آدمی سے ملتا ہے
سفر آخرت قریب آیا
کیا ہجوم غم جدائی ہے

دم نہیں۔ دل نہیں۔ نگاہ نہیں
کون سا دل ہے جو تباہ نہیں
بات کرنی تو کچھ گناہ نہیں
ہائے افسوس زاد راہ نہیں
جس طرف دیکھتا ہوں راہ نہیں

دیکھنا ہو تو دیکھنے کی طرح
اِس نظر کی کہیں پناہ نہیں

کیا نمونہ نہیں ہے قدرت کا
گُل نہیں؟ گُل نہیں؟ گیاہ نہیں؟

کون مستانہ وار آتا ہے
خانۂ چشم ہے یہ راہ نہیں

جب کہا ایک پیار لیتے ہیں
کیا تڑپ کر کہا ہے۔ واہ نہیں

اُف رے انجان پن کہ محشر میں
ہم سے رُخ بھی نہیں نگاہ نہیں

ایک دِل تھا وُہ دیدیا تم کو
مردِ **شاعر** ہوں بادشاہ نہیں

مجھے وُہ ذبح کئے دیتے ہیں قرار نہیں
پھر اُس پہ ظلم کہ خنجر بھی آبدار نہیں

چلے ہی آتے ہیں پیکاں الٰہی وار نہیں
بس اب یہ دِل۔ یہ کلیجہ۔ یہ جان نثار نہیں

وُہ راہ میں ہیں سُنا ہے۔ اب آئے کہ آئے
کِدھر کا قصد ہے او جان بیقرار نہیں

جو فاتحہ نہیں تو سیر بھی نہ فرمائیں
ہماری قبر کا جوبن ہے سبزہ زار نہیں

اکیلے پھرنے کو انسان جنگلوں میں پھرے
چمن میں یار نہیں ہے تو پھر بہار نہیں

کبھی ان آنکھوں سے مُردے جِلا ہی جاتے تھے
انہیں میں آج مروّت نہیں ہے پیار نہیں

عدم کو جاتے ہیں تیار ہیں بنے سنورے
تمہاری دیر ہے اب کوئی دیر دار نہیں

شہید ہُوں تری بانکی بھوؤں پہ مرتا ہوں
چڑھی ہیں یہ کمانیں انہیں اُتار نہیں

ہمیں بھی رنج نہیں۔ آیئے گلے مل لیں
جو آپ صاف ہیں ہم کو بھی کچھ غبار نہیں

ہمیشہ دیدۂ دشمن میں ہے مقام مرا
جو گُل کے ساتھ کھٹکتا ہے میں وُہ خار نہیں

خُدا کے واسطے آؤ کہیں کہ جان چلی
ہماری دم پہ قیامت ہے انتظار نہیں

کوئی کمال نہیں بےکمال ہُوں **شاعر**

وحید عصر نہیں فرد روزگار نہیں

مسکن وہیں کہیں ہے وہیں آشیاں کہیں
دو آڑے سیدھے رکھ لئے تنکے جہاں کہیں

پھولوں کی سیج پھولوں کی ہیں دھجیاں کہیں
کانٹوں پہ ہم تڑپتے ہیں او آسماں کہیں

دیکھو جلائے دیتا ہوں دیکھو نہ شمع کو
اُٹھتا نہ ہو یہ میرے ہی دل سے دھواں کہیں

باتیں تمہاری تم کو جلانیکو غیر سے
میں تو نہیں مکرتا ہوں۔ ہاں میں نے کی کہیں

ملنا نہ ملنا یہ تو مقدر کی بات ہے
تم خوش رہو۔ رہو مرے پیارے جہاں کہیں

بےچینیاں یہی ہیں تو مر جائینگے غریب
بڑھ جائینگی اداؤں سے بھی شوخیاں کہیں

جانے کدھر ہو تم صف محشر میں خیر ہے
دامن نہ ہو خدا کے لئے دھجیاں کہیں

بیکس ہوں وہ کہ پوچھتا ہوں اُٹھ کے حشر میں
کیوں جی شراب کی ہیں دکانیں یہاں کہیں

جاؤ سدا بہار تم سے نبھی ہے نہ نبھ سکے
لیتے ہیں دل میں بیٹھ کے یوں چٹکیاں کہیں

پہرہ بٹھا دیا ہے یہ قید حیات نے
سایہ بھی ساتھ ساتھ ہے جاؤں جہاں کہیں

بس مجھ کو داد ملگئی محنت وصول ہے
سن لے غزل یہ بلبل ہندوستاں کہیں

شاعر وہ آج پھر وہیں جاتے ہوئے ملے
دشمن کے سر پہ ٹوٹ پڑے آسماں کہیں

کیوں نہ ہو پینے پلانیکا مزا برسات میں
کیا بھلی معلوم ہوتی ہے گھٹا برسات میں

اب تو ہم جتنی منگائیں تو دے جامی فروش
پھر حساب اگلے برس ہو جائیگا برسات میں

دو گھڑی کو بھی نہ آئیگا اگر وہ سبزہ رنگ
مر رہونگا میں کھا کر سنکھیا برسات میں

اب نہیں کٹتیں یہ راتیں دل بہت بےچین ہے
میرے گھر بھی آؤ اک دن مہ لقا برسات میں

پی بھی لو شاعر سمجھ رکھی ہے توبہ آپ کی

چھوڑ سکتا ہے کوئی مرد خدا برسات میں

نہ پھینکو گیا تم کرتے ہو اک بسمل کے ٹکڑے ہیں
جسے شیشہ سمجھتی ہو یہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں

بڑھے جاتا ہی کیوں دست طلب تف مال دنیا پر
اگر دیکھے تو پہلے ہی کف سائل کے ٹکڑے ہیں

جسے جتنا ہو لہنا پائیگا رتی سو رائی تک
اسی کا نام قسمت ہی کہ ایک ایک تل کے ٹکڑے ہیں

بہت رونا مجھے آتا ہی غنچوں کے تبسم پر
فقط کھلنے ہی کی ہی دیر ساری کھل کے ٹکڑے ہیں

فدا ہی گل پہ بلبل میں ترے ہونٹوں پہ مرتا ہوں
وہ اس کے دل کے ٹکڑے ہیں یہ میرے دل کے ٹکڑے ہیں

مزا دیتی ہی کیا کیا رعد کی یہ چارہ فرمائی
مرے زخموں کے پھاہے ہیں دامن قاتل کے ٹکڑے ہیں

عدو کی خوبیاں مجھ سے بیاں ہوتی ہیں ہنس ہنس کر
قسم ہے آپکی باتوں سے میرے دل کے ٹکڑے ہیں

اگر اردو کوئی سیکھے تو سیکھے دلی والوں سے
وہی واقف ہیں شاعر یہ انہیں کے دل کے ٹکڑے ہیں

عریاں ہی رہے نعش غریب الوطنی میں
دھبے مرے عصیاں کے نہ آئیں کفنی میں

اقرار یہ بھی میری طبیعت نہیں جمتی
وہ لطف ملا ہے تری پیماں شکنی میں

مہر خم نے توڑ لی بھولے سے جو ساقی
یہ جرم بھی لکھ لے مری ساغر شکنی میں

پیاروں سے جو بچھڑا ہو جو یاروں سے چھٹا ہو
وہ جانتا ہے سیر جو ہے بیوطنی میں

دل ٹوٹ کے جڑتا نہیں شیشہ ہو تو جڑ جائے
ہے فرق یہی سوختنی ساختنی میں

حسرت ہی مری آپ کی تصویر نہیں ہے
اک چیز ہے رکھ لی ہے چھپا کر کفنی میں

ہم بھی کبھی پریوں میں رہا کرتے تھے شاعر
کیا دیکھتے ہو ہم کو غریب الوطنی میں

ہمیں پسند گھڑی بھر کو یہ حجاب نہیں
ہمارا ہاتھ نہیں آج یا نقاب نہیں

نہ توڑ شیشۂ دل انگلیاں نہ زخمی ہوں — کنول کا پھول نہیں ہے کوئی گلاب نہیں
وہ ہلکا ہلکا تبسم وہ تیز تیز نظر — مٹا دیا نہ مجھے ظالم ترا جواب نہیں
ہمارے آتے ہی شیشے اٹھائے محفل سے — عدو کا خون پئیں گے اگر شراب نہیں

مری نگاہ میں کیا اس کی منزلت شاعر
وہ خاک ہے جو غلام ابو تراب نہیں

پی پلا کر اسے رحمت کی قسم دیتے ہیں — کیسے بندے ہیں کہ اللہ کو دم دیتے ہیں
اسی رفتار سے اٹھے گی قیامت اک دن — یہ خبر ہم کو ترے نقش قدم دیتے ہیں
کہہ رہی ہے مرے ساقی کی عنایت مجھ سے — لے چھلکتا ہوا ساغر تجھے ہم دیتے ہیں
اسکے بھروں میں نہ آجائیگا بندہ نواز — مفت کا آپ کو اغیار بھرم دیتے ہیں
داغ دیتے ہو جو دل پر تو ذرا ٹھنڈک سے — مہر کے واسطے کاغذ کو بھی نم دیتے ہیں
خوب انصاف ہے اس داد و ستد کے صدقے — جو زیادہ کے ہے لائق اسے کم دیتے ہیں
دل جو قیمت نہیں بوسے کی تو پھیر و بھی نہیں — ہاتھا چھائی نہیں کرتے ہیں رقم دیتے ہیں

کوئی مضمون پھڑکتا ہوا لکھنا شاعر
آج ہم پھر تمہیں قرطاس و قلم دیتے ہیں

کیوں سختیاں کرتے ہو اب آشنا تو نہیں میں — انسان ہوں فولاد کا پتلا تو نہیں میں
یہ کیا کہا جو پیار سے دیکھو تو ہمیں کو — عاشق بھی معشوق کسی کا تو نہیں میں
جب میں نے یہ کی عرض جلا لیجیے مجھ کو — ہنسکر کہا اے شخص مسیحا تو نہیں میں
جاتی رہی پہلو میں رہا کرتی تھی اک چیز — تربھر نہوں۔ کچھ آپ سے کہتا تو نہیں میں
میں بھی نہیں ٹلنے کا جو دشمن نہیں مرتا — اٹھ جاؤں جو تم میں ہے وہ پیدا تو نہیں میں

ہستی ہی میری نسبتوں سے متشکل
اس فکر میں رہتا ہوں کہ دھوکا تو نہیں ہیں

اچھوں پہ بُری بنتی ہے شاعرؔ یہ سُنا ہے
صد شکر کسی بات میں اچھا تو نہیں ہیں

بُتوں کے واسطے تو دین و ایمان بیچ ڈالے ہیں
یہ وہ معشوق ہیں جو ہم نے کعبے سے نکالے ہیں

وہ دیوانہ ہوں جس نے کوہ و صحرا چھان ڈالے ہیں
انہیں تلووں سے تو ٹوٹے ہوئے کانٹے نکالے ہیں

عدو کی گرمیٔ اُلفت نے کیا جوبن نکالے ہیں
وہاں رُخسار نیلے ہیں یہاں اس دل میں چھالے ہیں

الٰہی خیر اب چلتی ہوا سے تم تو لڑتے ہو
کسی سے کچھ کہا ہم نے کسی سے بولے چالے ہیں

اگر دیکھا نظر بھر کے تو مر ہی جاؤ گے ظالم
تری آنکھیں نہیں ہیں زہر کے لبریز پیالے ہیں

تراشی ہیں وہ باتیں اُس ستمگر نے سرِ محفل
کلیجے سے ہزاروں تیر چُن چُن کر نکالے ہیں

بلا سے کور ہو جائیں نہ دیکھیں اچھی صورت کو
یہ سب پتھر کا دل رکھتے ہیں جتنے حسن والے ہیں

نشے میں چور ہیں وہ آپڑے ہیں بال چہرے پر
ذرا دیکھے تو کوئی کیا اندھیری میں اُجالے ہیں

ہمارا کیا ہے ہم تو ہیں ازل کے بدنصیبوں میں
مگر تم جس جگہ ہو وہ بڑے تقدیر والے ہیں

جگر دل کے ورق ہیں وہ عدو دیدار سی روشن
انہیں کیوں دل سمجھو یہ تو جنت کے قبالے ہیں

بٹھایا غیر کو پہلو میں پھر ہم کیوں نہ اُٹھ جائیں
یہ باتیں دیکھی جاتی ہیں یہ غمزے اُٹھنے والے ہیں

وہ لذت کیا بتاؤں ہمنشیں مجھ میں کہاں دم تھا
جب اُس نے پیار سے گردن میں میری ہاتھ ڈالے ہیں

نہیں تو کون تیری بزم میں محروم رہتا ہے
پہنچنے کو ہمیں تک پاؤں میں ساغر کے چھالے ہیں

اگر منہ سے کہا کچھ تو بکھر ہی جائیں گے ٹکڑے
بڑی مشکل سے ہم ٹوٹے ہوئے دل کو سنبھالے ہیں

ہمیں ہیں مُوجدِ بابِ فصاحت حضرتِ شاعرؔ
زمانہ سیکھتا ہے ہم سے ہم وہ دلّی والے ہیں

ردیف واو

اتنی پلا کہیں نہ ہمارا جواب ہو
جس کا نشہ ہی کم نہ ہو ایسی شراب ہو

کس طرح چوس لوں لب میگون یار کو
افسوس جس میں غیر کی جھوٹی شراب ہو

اک اک کے منہ کو دیکھتی ہیں حسرتیں مری
یوں نامراد بھی نہ کسی کا شباب ہو

جس رات میکشی کرے تو میری بزم میں
اس رات کے لئے قدح آفتاب ہو

شاعر کروڑ زندگیاں مٹ گئیں یہاں
کب دیکھئے خراب جہان خراب ہو

شفیع دوسرا ۔ ختم النبی ۔ محبوب یکتا ہو
محمد مصطفےٰ احمد نبی ہو کل کے مولا ہو

نہ ہو اخلاص پھر کیونکر یہ ایسی ہو وہ ایسا ہو
دلہن ختم النبوت سی محمد جیسا دولہا ہو

مٹنے ہے کہاں داغ غم ہجر محمد کا
یہ وہ خورشید ہے چشم فلک نے بھی نہ دیکھا ہو

یہی حسرت ہے دل میں کیوں قدم دیکھے نہ مولا کے
نشان سجدہ ہو اپنا جہاں نقش کف پا ہو

مجال دم زدن ہو نعت میں تو یہ کرو شاعر؟
بشر کا منہ کہاں ایسا چلو خاموش تم کیا ہو

نگہ ناز ادھر بھی کسی تدبیر تو ہو
ہم نشانہ ابھی بن جائیں مگر تیر تو ہو

مفت میں آج غریبوں پہ چھری پھرتی ہے
قتل کر ڈالئے لیکن کوئی تقصیر تو ہو

رہنے دیجئے یہ کسی اور سے فرمائیگا
آپ چاہیں مجھے ایسی مری تقدیر تو ہو؟

بیڑیاں زلف کے وحشی نہیں پہنیں گے کبھی
ہم ابھی قید سہی پھول سی زنجیر تو ہو

حد بھی ہے بننے سنورنے کی الٰہی توبہ
کیا غضب ڈھاوے گے اب خیر سے تصویر تو ہو

بس تم ہی جیسے ہیں اک شخص کہاں رہتے ہیں؟ جانیوالے میاں بگڑو نہیں رہگیر تو ہو

رات دن رہتی ہو کیوں سر بگریباں شاعر
کچھ ہنسو بولو کسی رنگ کی تقریر تو ہو

ترے گیسو مٹا دینگے پریشان محبت کو
بڑے مجبور ہیں کس طرح چھوڑیں اپنی عادت کو
جہاں تم مسکرائے دوڑ کر ہم پیار کر لینگے
یہی رفتار کے انداز ہیں تو کیا ٹھکانا ہے
کوئی ہم سی زیادہ لذتیں کیا لیگا دنیا میں
الٰہی کونسا دن ہوگا جو دیدار دیکھیں گے
ابھی کچھ تھے ابھی کچھ ہو گئے آپے سے باہر ہیں

بلا کی الجھنیں رہنے لگیں کافر طبیعت کو
بتوں پر ٹوٹ کر آنا سکھایا ہی طبیعت کو
لگانا ہاتھ پیچھے۔ پہلے سن لو دل کی قیمت کو
خدا جانے کہاں چھپنا پڑی جا کر قیامت کو
کلیجے سے لگائے پھرتے ہیں درد محبت کو
بہت دن سے ترستے ہیں کسی کی بانکی صورت کو
خدا کی شان ہے میں دیکھتا ہوں ان کی صورت کو

خیال اس کا رہے ہر دم کہ شاعر جو نرالی ہے
زمیں: اللہ پھولوں کی طرح رکھنا امانت کو

کھل جائیں زخم دل تو نرالی بہار ہو
ٹکڑے ہزار بار دل بیقرار ہو
پستے ہیں دل بس اب نہ چلو جھوم جھوم کے
وہ ناتواں ہوئی ہیں کہ بہر کفن ہمیں
جھلکی دکھائی یا سامنے آئے چلے گئے
ہم سے نہ ملئے۔ آپ نے تو کہدیا مگر
آنکھیں سفید ہوگئیں بینائی اڑ گئی

چاروں طرف سے خندۂ گل کی پکار ہو
پھر بھی تمہارا ہو کے تمہیں پر نثار ہو
تم ہوش میں بھی ہو کہیں مستانہ وار ہو
پردہ ہمارا سایۂ دامان یار ہو
بادش بخیر تم بھی عجب وعدہ دار ہو
وہ کیا کرے غریب جو بے اختیار ہو
اور اس سے کیا زیادہ ترا انتظار ہو

وحشی بہت ہے نرگسِ جادو سنبھالنا
دو تیر کھینچ لو جو ذرا ہوشیار ہو

کس ناز سے وہ پوچھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
شاعر مزاج کیسا ہے کیوں بے قرار ہو

کیا ستم ہے ٹھہر تو دل اس قدر مضطر نہ ہو
جان دیدوں گا کسی دن دیکھ میرے سر نہو

ہر نفس کے ساتھ ہو دل میں خلش گر کوئی چیز
دیکھنا اے چارہ گر کانٹا نہو نشتر نہو

رفتہ رفتہ ہو ہی جاتا ہے محبت کا اثر
ہاں مگر انسان کا دل ہو کوئی پتھر نہو

ہائے کیا اندھیر ہے محفل میں تیری رات دن
غیر کا اعزاز ہو لیکن ہماری در نہو

اُنکی خاطر سے اُٹھا تو لوں میں **شاعر** ظلم غیر
دل لرزتا ہے کہیں یہ میرے ذمّے کر نہو

کس طرح اس شہر سے کسی کو ضرر نہو
بندہ تو بندہ جس کو خدا کا بھی ڈر نہو

وہ اور اُن کی غنچہ و گل پر نظر نہو
ڈرتے ہیں وہ کہ خندۂ زخم جگر نہو

دم بھر وہ میری آنکھ سے اوجھل اگر نہو
اتنی خبر ہے مجھ کو کہ پھر کچھ خبر نہو

اونچی نظر ہوئی ہے تو نیچی نظر نہو
کس کام کا وہ تیر کہ جو کارگر نہو

سینے سے ڈھل رہا ہے دوپٹا جو بار بار
ہے رشک مجھ کو دستِ نسیمِ سحر نہو

وہ بھی ہے بیقرارگی کے لگاؤ سے
یہ بھی ہے کوئی بات اِدھر ہو اُدھر نہو

ڈرتا ہوں دیکھتا نہیں ابرو کو اس لئے
چتون تری چڑھائی ہوئے باڑھ پر نہو

مانا کہ دیکھنے سے بھی جیتا ہے آدمی
وہ کیا کرے جسے ترے در تک گذر نہو

مجھ کو اثر نہوگا تری بات کا کبھی
ناصح خدا کے واسطے تو میرے سر نہو

وہ چاک چاک ہی تو یہ صد زخم زخم ہے
ممکن نہیں کہ دل کے برابر جگر نہو

گلشن کیا ہی جوشش رنگ بہار نے
دو دن کے بعد پھول کی مٹھی میں زر نہو؟

دل کی ہی جو کہے کسی ایسے کو نہ بھیجئے
انسان ہو خدا کے لئے جانور نہو

طاقت نہیں ہے ضبط کی مر جائینگے غریب
اے آہ اب تو نشتر زخم جگر نہو

ناصح کسی کی آنکھ جو کہہ جائے بزم میں
تیرے فرشتہ خاں کو بھی اسکی خبر نہو

کیا کیا تڑپ تڑپ کے نہ مانگی دعائے وصل
تقدیر کی ہے بات میری جان ورنہ ہو

شاعر کسی کا قصہ غم کیا سنوگے تم
جاؤ بھی اپنا کام کرو میرے سر نہو

رہے وہ انقلابوں میں شریک دور ساغر ہو
وہ محفل سے بیٹھے جسکے پاؤں میں میرا سا چکر ہو؟

اگر ہو بھی تو دل دکھتی ہو وں کہ جان و دل پر ہو
تمہیں کیونکر اثر ہو تم تو لوہے کے ہو پتھر ہو؟

ہمیں معشوق ہے درکار جو پورا ستمگر ہو
بھویں تنتی ہوئی ہوں ہاتھ میں اچھا سا خنجر ہو

جو ناممکن ہو تو انسان کیوں اس بات کے سر ہو
طلب اس کی نکرنا جو تیری ہستی سے باہر ہو

تڑپتے ہیں کسی کل چین آتا ہی نہیں ہم کو
چھری ہی پھیر دو ہم پر کہیں اس سے تو بہتر ہو

دو طرفہ کھینچئے دنبالہ خوش رنگ کاجل سے
مری جاں لطف جب ہے حسن کا پلہ برابر ہو

برا کہتے ہیں اکثر پیٹھ پیچھے بادشاہوں کو
مزا ہے جب سر میدان ٹھہرے میرے منہہ پر ہو

تم آؤ بھی کہیں ہم تو بچھا دیں اپنی آنکھیں بھی
جہاں آرام فرماؤ وہیں پھولوں کا بستر ہو

مبارک پائمالی قبر عاشق کی ترے صدقے
مگر پیارے ابھی تلوؤں میں چبھ جائے جو کنکر ہو

خدا کی شان ہے یہ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا
بتوں کا ہو گذر تو یہ جہاں اللہ کا گھر ہو

کہاں استاد سا استاد شاعر مرے ہم تو
فلک سو سال چکر کھائے جب ایسا سخنور ہو

جو یہ خلش ہو نظر کامیاب ہو کہ نہ ہو
تمہیں بتاؤ نہ مجھے اضطراب ہو کہ نہ ہو

کہاں کا کعبہ و بتخانہ تو نظر میں ہے
ہم ایک راہ چلینگے ثواب ہو کہ نہ ہو

تو اپنا جام ہٹا لے ہٹا بھی لے ساقی
یہاں نشے میں ہیں یوں ہی شراب ہو کہ نہ ہو

خدا کے واسطے مل لیجئے جو ملنا ہے
گنوا نہ دینا کہیں پھر شباب ہو کہ نہ ہو

ہمیں کی داد و ستد سے ہمیں نہیں فرصت
خدا ہی جانے وہاں کچھ حساب ہو کہ نہ ہو

شرابیں اڑتی ہیں اب دشمنوں کے ہاتھوں سے
یہ کیا ستم ہے مرا دل کباب ہو کہ نہ ہو

دکھا کے ایک جھلک پھر نہ سامنے آئے
ہماری موت تمہارا حجاب ہو کہ نہ ہو

چلا تو آؤں میں خلوت میں جھڑکی درباں سے
یہ فکر ہے کہیں تو محوِ خواب ہو کہ نہ ہو

کہیں نہ آتشِ فرقت سے خاک ہو جاؤں
تمہارے سامنے آنے کی تاب ہو کہ نہ ہو

مدام مست ولائے علیؑ رہا شاعر
یہ خاکِ درِ بوتراب ہو کہ نہ ہو

ردیفِ ہائے ہوز

کیا چھپائے گی ہم سے یار کی آنکھ
تاڑ لیتے ہیں ہم خمار کی آنکھ

غیر کو تم برا کہو نہ کہو
کبھی چھپتی نہیں ہے پیار کی آنکھ

اب تو آجاؤ تم مرے دل میں
دیکھ لی اب تو تم نے چار کی آنکھ

کیا تصور ہے واہ رے تصویر
اتر آئی ہے دل میں یار کی آنکھ

تجھ کو دیکھا خدا کو دیکھ لیا
ایک پائی ہے یہ ہزار کی آنکھ

تم نہ آئے یہاں یہ نوبت ہے
گر پڑی تھک کے انتظار کی آنکھ

اپنی قسمت پہ ناز ہے شاعرؔ
چاہ کا دل ملا ہے پیار کی آنکھ

دیکھا نہ کرو تنکے اُدھر اور زیادہ
کھنچنے ہی سے پڑتی ہے نظر اور زیادہ

رہ رہ کے کسک ہو تو مزہ آئے ہمیں بھی
تھم تھم کے بڑھے دردِ جگر اور زیادہ

جتنی وہ بجھاتے ہیں محبّت کی نظر سے
اُتنی ہی بھڑکتی ہے اِدھر اور زیادہ

تر بھر نہ ہو تر بھر میں دو لکتا نہیں ساقی
کم تو نہیں تھوڑی سی مگر اور زیادہ

اسواسطے کہتے تھے کہ شاعرؔ نہ لگا دل
لے اور کسی اور بہ مر اور زیادہ

تری قدرتیں تری ندرتیں تری شان جلّ جلالہٗ
نہیں کس طرح سے بیاں کرے یہ زبان جلّ جلالہٗ

تیری ابتدا تیری انتہا تیری انتہا کی کسی خبر
یہ یقین جلّ جلالہٗ یہ گمان جلّ جلالہٗ

ترا حکم چٹکی کا تیر تھا جو سما ہوا ہیں بندھ گیا
کہ چڑھی ہی رہتی ہے راتدن یہ کمان جلّ جلالہٗ

زرِ گل کہیں تو ہے لُٹ رہا چھنا چھن کی آئی کہیں صدا
کہیں موتی بنتے ہیں سیپ میں کہیں کان جلّ جلالہٗ

نہ شاعرؔ اس کو ہی مانتا تو ہر ایک بھید ہے جانتا
اسے ہر بلا سے بچائیگا مری جان جلّ جلالہٗ

ردیف یائے تحتانی

شام سے چھا گئی سر پر شبِ فرقت کیسی؟
میں سکندر تو نہیں مجھ پہ یہ ظلمت کیسی؟

چار آنکھیں کبھی ہو جاتی ہیں آتے جاتے
نظرِ لطف کہاں چشمِ مروّت کیسی

دل اُدھر کھینچتا ہے ضبط اِدھر کھینچتا ہے
میرے اللہ میری آ گئی شامت کیسی

خوب تڑپایا ہے اُٹھ اُٹھ کے تسلّی کیلئے — درد دینے کی ہے تلافی شبِ فرقت کیسی؟

جس پہ مر مر کے جیا کرتے تھے شاعرؔ افسوس
خاک میں مل گئی وہ چاند سی صورت کیسی؟

واہ قاتل وہ بیکلی نہ رہی — ایک ہی وار میں لگی نہ رہی
اب کسی سے بھی دل لگی نہ رہی — ہائے پہلی سی زندگی نہ رہی
آتے آتے پلٹ چلا ہے شباب — چار دن کی بھی چاندنی نہ رہی
اشکِ رنگیں چھلک گئے آخر — نہ رہی شیشے میں پری نہ رہی
حسنِ رفتہ کا اب ملال ہے کیا — عارضی چیز تھی رہی نہ رہی
پاس کچھ کم نہیں ترا احسان — آرزو بھی بُری بھلی نہ رہی
بے سبب مستیاں نہیں ہوتیں — چشمِ مخمور تو نے پی نہ رہی

ایسے بگڑے وہ اب کے شاعرؔ سے
کوئی صورت ملاپ کی نہ رہی

کیا دو گھڑی میں وصل کی سب رات ہو چکی — لو وہ سحر ہوئی وہ ملاقات ہو چکی
ساقی نے ایک جام دیا وہ بھی دُرد کا — اور اُس پہ طرّہ یہ کہ مدارات ہو چکی
بوسے بغیر میں نہیں دینے کا یہ قسم — پھیرو بھی دل معاف کرو گھات ہو چکی
رویا بہت ہوں اب تو دکھاؤ مجھے جمال — سورج نکل بھی آئے کہ برسات ہو چکی

شاعرؔ عجیب شاطرِ بے رحم ہے فلک
اُلٹو بساط دور کرو مات ہو چکی

کیا ہمیشہ کوئی دنیا میں جواں رہتا ہے — ہوش میں آؤ یہ جوبن ہے کہاں رہنا ہے

مٹتے مٹتے بھی محبت کا نشاں رہتا ہے
تھمتے تھمتے بھی سر شمع دھواں رہتا ہے

ہوش بھی ہو جو کوئی ضبط کی تدبیر کرے
دل جب آتا ہے تو پھر صبر کہاں رہتا ہے

چارہ گر مہر و محبت کا تماشا دیکھا
تیر جو کھنچتا ہے دل سے وہ کماں رہتا ہے

دل کا کیا حال کہوں اب تو عجب رنگ ہے
خون ہو کر مرے اشکوں میں رواں رہتا ہے

ہنسکے فرماتے ہیں باز آئے تری پیار سے ہم
ہونٹ دکھ جاتے ہیں بوسوں کا نشاں رہتا ہے

بولتی ہی نہیں جو بات کی عادت پڑتی
تیری تصویر کو بھی وہم و گماں رہتا ہے

کھو دیا اُس نے زمانے سے دعا دیتا ہوں
خوش رہے وہ مرے اللہ جہاں رہتا ہے

آپ دلی بھی گئے ہیں کبھی اے مشفق من
وہاں اک **شاعر** اعجاز بیاں رہتا ہے

عیاں ہے صاف یہ چین جبیں سے
بگڑ کے آپ آئے ہیں کہیں سے

یہ کیا۔ بنتا بناں کیوں سیکھتے ہو
ہماری شوخیاں پیارے ہمیں سے

نہیں پھٹتا گریباں ایک صورت
نکلتا ہے کہیں سے کچھ کہیں سے

جھکائیں کیونکہ سر پائے عدو پر
ملا دیں آسماں کیونکر زمیں سے

بچانا شیخ! آ گئے میکدہ ہے
پلٹنا دیکھنا حضرت یہیں سے

دل بیتاب اچھا مشغلہ ہے
کسی کا ذکر چھڑ جائے کہیں سے

کہانتک لذت انکار **شاعر**
بس اب تو دم الجھتا ہے نہیں سے

دل سے کھینچے ترے پیکان بڑی مشکل سے
گھر سے نکلے ہیں یہ مہمان بڑی مشکل سے

ابھی بچپن ہے سنبھل جاؤگے رفتہ رفتہ
آدمی بنتا ہے انسان بڑی مشکل سے

بدگماں ہو گیا تم سے دلِ مضطر آخر
سنتے سنتے ہوئے ہیں کان بڑی مشکل سے

ضبطِ گریہ سے بنی جان پہ اپنی کیا کیا
ہم نے روکا ہے یہ طوفان بڑی مشکل سے

کیوں بلاتے ہیں وہ کیا جانئے کیا ہے شاعر
جمع کرتا ہوں پھر اوسان بڑی مشکل سے

بال ایڑی پہ آ پڑے کھل کے
واہ کیا کہنے طولِ کاکل کے

شعلۂ عشق جان لے کے رہا
بہہ گئی شمع غم میں گھل گھل کے

تھم گئے اشکِ غم سرِ مژگاں
چھنچتے ہیں موتی کانٹوں میں تل کے

اشکِ بلبل ٹپک رہے ہیں آج
کل تو شہرے تھے خندۂ گل کے

شک ہے ہونٹوں پہ یار کے شاعر
دل کو بہلے اڑے ہیں ہل جل کے

ظلم پر ظلم جفاؤں پہ جفا رکھی ہے
کونسی بات ہے جو تو نے اٹھا رکھی ہے

اقربا نزع میں کہتے ہیں دعا مانگ دعا
ہونٹ تو ہل نہیں سکتے ہیں دعا رکھی ہے

جو گہر گرتا ہے انمول ہے لاثانی ہے
چشمِ گریاں نے بڑی بات بنا رکھی ہے

دیکھنا انکی شرارت کہ عدو کی خاطر
میرے مرنے کی خبر جھوٹ اڑا رکھی ہے

تم کہاں وصل کہاں وصل کی امید کہاں
دل کے بہلانے کو اک بات بنا رکھی ہے

جان کیا مال ہے جب حکم ہو حاضر کردیں
یہ ترے نام کی دولت ہی لگا رکھی ہے

دیکھنا دیکھنا! بےچین ہے رحمت کیسی؟
کیا مری فردِ گنہ پیشِ خدا رکھی ہے

ہو کسی بادشہِ وقت کا پہلو شاعر
اب تو وہ بات طبیعت نے دکھا رکھی ہے

کسی سے نہ اب دِل لگایا کریںگے
کریںگے تو تیری تمنّا کریںگے
خُدا کے لئے تم الگ ہٹ کے بیٹھو
عدو دیکھ لینگے تو چرچا کریںگے
حسینوں کا ہے آجکل تو زمانہ
بُرا بھی کریںگے تو اچھّا کریںگے
چلے آیئے یہ بھی گھر ہے تُمہارا
بِٹھا کر تمہیں دل میں دیکھا کریںگے

کبھی فکرِ روزی کبھی عشق شاعر
اجی بیٹھے آپ کیا کیا کریںگے

اُبھرتے ہیں جوبن یہ کیا ہو رہا ہے
قیامت کا کیُوں سامنا ہو رہا ہے
چُھری پھیر کے آپ نے تڑپایا مجُھ کو
مجھی سے پھر اُلٹا گلا ہو رہا ہے
گناہوں سے میلا ہوا شیشہء دل
خبر بھی نہیں کیا سے کیا ہو رہا ہے
نگاہوں میں وُہ نقدِ دل توڑتے ہیں
اشاروں سے کھوٹا کھرا ہو رہا ہے
یہ رفتار ہی جس سے دِل پس رہے ہیں
یہ قد ہے کہ فتنہ بپا ہو رہا ہے
کھِچے چھین کر دِل یہ انسانیت ہے؟
مُروّت کا یہ مقتضا ہو رہا ہے؟

ابھی عشق کی پہلی منزل ہی شاعر
ابھی سے ترا دم فنا ہو رہا ہے

دِل لیکے دغا کرتے ہو اچھّا نہیں کرتے
کیا رسمِ محبت کو نباہا نہیں کرتے
دن رات تڑپتا ہُوں چلے آؤ ادھر بھی
بیمار کو آکر کبھی دیکھا نہیں کرتے
اللہ! عجب رنگ ہی خوبانِ جہاں کا
ہم جان چھڑکتے ہیں وُہ پرواہ نہیں کرتے
ابرُو نہ سنوارا کرو کٹ جائیگی اُنگلی
نادان ہو تلوار سے کھیلا نہیں کرتے

پھر کس پہ جفا ہوگی جو مر جائیگا شاعر

یُوں چاہنے والے کو ستایا نہیں کرتے

فائدہ خاک نہیں علم و ہُنر ہونے سے
ہائے بے شغل ہُوں۔ بے کیف ہوں بے لذت ہوں
اِک زمانے میں ہوئے دل کی لگی کے چرچے
ہر دعا پر یہاں تاثیر ہُوئی ہے اُلٹی

زندگی خُوب بسر ہوتی ہی زر ہونے سے
کچھ نہ کچھ لُطف تو تھا درد جگر ہونے سے
پھل ملا ہم کو یہی دیدۂ تر ہونے سے
جو اثر یہ ہے تو باز آئے اثر ہونے سے

سبب رنجش بیجا نہ کہیگا شاعر
جائیے فائدہ کیا آپ کو سر ہونے سے

رُوٹھی ہُوئی نگاہ نے تلواریں مار کے
کس طرح دن کٹینگے ترے انتظار کے
وحشت سنبھل کہ ہم تو کہیں کے نہیں رہے
شعلہ کسی کی برق نظر کا تڑپ گیا
تم سے نہ ہوگی قدر دلِ بیقرار کی
کیا بن سنور کے آئے ہیں ماتم میں واہ وا
پھر کیا ملے شباب مٹا کر اگر ملے
یہ چاہے جس طرف ہمیں لیجائے۔ جائینگے
بعدِ فنا بھی سوزِ دروں کا یہ رنگ ہے
مُدت ہوئی نہیں ہے کسی گلبدن سے ربط
صیاد نے چمن کی ہوا تک نہ دی ہمیں

ٹکڑے اُڑا دیئے دلِ اُمیدوار کے
کیونکر اُٹھینگے ناز دلِ بیقرار کے
مسکن کے ہیں پتے نہ ٹھکانے مزار کے
روشن ہوئے چراغ دلِ داغدار کے
کس کام کا ہے پھینک بھی دو سر سوار کے
جوبن تو دیکھئے مرے پھولوں میں ہار کے
پیارے یہی تو دن ہیں تمہاری بہار کے
ہیں اختیار میں دلِ بے اختیار کے
کملا گئے ہیں پھول ہمارے مزار کے
برسوں ہوئے کہ دن نہیں پھرتے بہار کے
آئے بھی اور چلے بھی گئے دن بہار کے

تن تن کے اس طرح سے تو انگڑائیاں نہ لے

شاعر نثار تیرے انوکھے خمار کے

مژگانِ یار کی کوئی تدبیر کیا کرے
دل اُڑ کے زخم کھائے تو پھر تیر کیا کرے

ہے تیری ہی سی شکل مگر شوخیاں نہیں
چُپ چُپ جب ہی تو ہی تیری تصویر کیا کرے

اُس کے بنائے کچھ نہیں بنتا ہی تم بغیر
تم بھی تو آؤ راہ پہ تقدیر کیا کرے

ہم سے تو اُنکے سامنے بولا نہ جائیگا
قابو میں دل بھی ہو لب تقریر کیا کرے

افسوس ہائے موت نہیں اختیار میں
مرجائے کیونکہ **شاعر** دلگیر کیا کرے

زمانہ چاہے گا جب تک شباب باقی ہے
نہ ہوگی شام اگر آفتاب باقی ہے

بہت گذر گئی تھوڑی رہی ہے عمر عزیز
ہمارے جام میں کچھ کچھ شراب باقی ہے

یہ آنکھیں ملتے ہوئے تم کدھر سے آنکلے
ابھی تو نرگس جادو میں خواب باقی ہے

نہ بگڑو چاند کو دیکھا ہے آئینہ دیکھو
ابھی اک اور تمہارا جواب باقی ہے

آگیا زمانہ وہ **شاعر** کہ روز ڈھلتی تھی
بس اب تو نام کو ذوق شراب باقی ہے

دل اُڑ چلا پہلو سے یہ تیز پری کیوں ہے
آنکھوں میں تری ظالم جادو نظری کیوں ہے

کس ناز سے کہتے ہیں دل تھام کے وہ مجھ سے
ہر آہ تری وحشی سنو درد بھری کیوں ہے

مجھ سوختہ ساماں پر ڈالے گا فلک سایہ
چھایا ہوا عرق تر پر وہ جگری کیوں ہے

تر بھر ہوئے جاتے ہیں الٹے وہ صدا سنکر
نالوں میں خدا جانے یہ بے اثری کیوں ہے

کیا ہو گیا جوبن وہ شب بھر کے کرشمے تھے
رنگت تری پھیکی سی شمع سحری کیوں ہے

بیفائدہ کہتی ہے خلقت نہ مجھے دیوانہ
اُس سے تو کوئی پوچھے تو شاکر پری کیوں ہے

وحشت ہی نہ سودا ہی - آخر یہ ہوا کیا ہے
شاعرؔ تمہیں سوچو تو پھر جابہ دری کیوں ہے؟

تمہیں جب سے دیکھا ہی دل بدیقیں ہے
نگاہوں میں اب کوئی جچتا نہیں ہے

اشارہ ہی یہ نیچی نظروں کا اُن کی
ادھر دیکھنے کی اجازت نہیں ہے

چھری پھیر دو بس قسم کھا چکے ہو
خدا جانے اب کیا چھپا اُن جبیں ہے

نہیں ربط دیر و حرم میں کسی سے
تری ہاں سی ہاں ہی نہیں سے نہیں ہے

تڑپ دل کی دیکھی نہ جائیگی تم سے
یہ بے تابیاں ہیں تماشا نہیں ہے

بہار آ گئی اشکِ خوں کیا کھلے ہیں
برنگِ گلستاں مری آستیں ہے

پری رو جہاں جلوہ گر ہوں بہت سے
ہمارے لئے تو وُہ خلدِ بریں ہے

بڑے چین سے قبر میں سو رہا ہوں
نیا آسماں ہی نرالی زمیں ہے

جو تجھ پر سدا ظلم ہوتا ہے شاعرؔ
خدا کی خدائی میں ایسا کہیں ہے

اُترے ہوئے دریا میں روانی نہیں آتی
پھر پھر کے مرے جان جوانی نہیں آتی

اک تم ہو کہ دل چھینا ہی دزدیدہ نظر سی
اک ہم ہیں ہمیں آنکھ چرانی نہیں آتی

بگڑو نہیں تم غیر کے گھر سے نہیں آئے
تم کو تو کبھی بات بنانی نہیں آتی

پیغام مرا اُس کے کہا نامہ بروں نے
ہم کو تو یہ تقریر زبانی نہیں آتی

ہر روز کی یہ وعدہ خلافی نہیں اچھی
جو بات تمہیں چاہیئے آنی نہیں آتی

دل پھونکدیا کرتے ہیں اُلفت کے پتنگے
یہ آگ کسی کو بھی بجھانی نہیں آتی

للہ نہ میٹو مرے مرقد کو سُنو تو
جا کر موئی مٹی کی نشانی نہیں آتی

شاعر اگر انصاف سے دیکھیں تو غزل میں
آجاتا ہے سب کچھ ہمہ دانی نہیں آتی

میرے رونے سے ہوا گریہ شبنم پانی
آنسو آنسو کی طراوت سے مری داغ کھلے
بھیگ جانا نہ کہیں راہ میں جانے جاتے
پھیرے ساقی تیرے قربان پلا دے مجھ کو

رفتہ رفتہ کہیں ہو جائے نہ عالم پانی
ایسے پھولوں کے لئے چاہئے ہر دم پانی
یوں ہی ظاہر میں نظر آتا ہے کم کم پانی
وہ اٹھا ابر برسنے لگا چھم چھم پانی

کیسا گستاخ ہے سینے کا پسینہ شاعر
گرمی حسن سے ہے یار کی محرم پانی

رواں ہوئی ہیں غریبوں پہ گالیاں کیسی؟
عدو کا ذکر شب وصل - واہ خوب رہے
کہاں ہیں وہ نگاہیں وہ پیار کی باتیں
ابھی سے آپ قیامت اٹھائے پھرتے ہیں
ہماری نزع کا عالم بھی اک تماشا ہے
کسی کی بات نہیں - آپ بدگمان نہ ہوں
کبھی نمک ہے - کبھی تیر ہیں - کبھی چھرے
غضب ہے آگ لگائی ہے تو نے مہندی سے

خدا کی شان کھلی ہے تری زباں کیسی؟
چلو ہٹو - یہ کلیجے میں چٹکیاں کیسی؟
اب انکی آنکھ بھی ملتی نہیں زباں کیسی؟
ابھی سے آپ پہ اٹھتی ہیں انگلیاں کیسی؟
تم آکے دیکھو تو پھرتی ہیں تتلیاں کیسی؟
ہمارا کوچ ہے دنیا سے ہچکیاں کیسی؟
لگی ہیں زخم جگر منہ بھرائیاں کیسی؟
تڑپ رہی ہیں ہتھیلی پہ مچھلیاں کیسی؟

چھٹے نہ ہاتھ سے ساغر یہی بہشت سہی
سب ایک رنگ ہے شاعر یہاں وہاں کیسی؟

جگر میں چٹکیاں لیتی ہے طرز رفتار میری
کہاں سے لائے گی بلبل دہن میرا زباں میری

تراشو چہانٹ ڈالو حوصلہ بڑھتا ہی ہاتھوں کا
بلائیں لیکے سر چڑھ گئی ہیں انگلیاں میری

محبت اس کو کہتی ہیں محبت نام اس کا ہی
گریباں سی جدا ہوتی نہیں ہیں انگلیاں میری

کسی کے روکنے سے کب ترا دیوانہ رکتا ہی
بہار آئی چلا ہیں یہ بھری ہیں بیڑیاں میری

گھڑی بھر چین سی شاعر نہیں کٹتی ہی دنیا میں
خدا جانے کہاں تک خاک اُڑائے آسماں میری

بلا سے ہوگی اگر ناگوار۔ اور سہی
جہاں نشہ ہے ذرا سا خمار اور سہی

کسے یقین ہی تم دیکھنے کو آؤ گے
اخیر وقت مگر انتظار اور سہی

ہم اپنی بات نگاہوں میں ہیں کہ چکی اُن سے
رقیب ایک نہیں دس ہزار اور سہی

یہ عیب ہے سحر وصل روٹھ کر جانا
جہاں ہزار دیئے ایک پیار اور سہی

فلک کا جی نہیں بھرتا جو ظلم سے شاعر
تو ہیں ستم زدہ روزگار اور سہی

صاف کرتا تھا کبھی شوق سی ذکر کس کا ہے
جان کس کی ہی مری جان جگر کس کا ہے

بجھتے بجھتے بھی جلے جاتی ہی اف ری سوزش
یہ جلاپا تجھے اے شمع سحر کس کا ہے

اپنی حالت پہ وہ رویا کہ جہنم نے کہا
پھینکو پھینکو اسے یہ دیدۂ تر کس کا ہے

چٹکیاں لیتی ہیں ارمان تری محفل میں
چپکا بیٹھا رہے کوئی یہ جگر کس کا ہے

قطعہ

لیگئے مجھکو اُدھر سے تو کسی نے یہ کہا
دیکھنا آج جنازہ یہ اِدھر کس کا ہے

جلتے تھے مگر اللہ رے بگڑ کر کہنا
پوچھتے پھرتے ہیں کیا ہمکو خبر کس کا ہے؟

ایک شاعر ہے کہ ابرو پہ مٹا ہے ورنہ
بڑھ کے سر تیغ پہ رکھدے یہ جگر کس کا ہے

جب وہ محفل میں کنکھیوں سے ادھر دیکھا کیے
ہم بھی سرتے تھے برابر دل جگر دیکھا کیے

یوں بھلا کب جائیگا تو جان لیکر جائیگا
مفت ابتک آسرا در جگر دیکھا کیے

پوچھتے کیا ہو عدم والو یہاں دنیا کا حال
اک تماشا تھا جسے ہم عمر بھر دیکھا کیے

ہاتھ سے مہندی چھٹی پہرے میں کھوا دی گئی
ہم برائے مرہم زخم جگر دیکھا کیے

بال بکھرے تیوری پر بل نگاہیں تیز تیز
ہم تمہیں اس رنگ سے دو دو پہر دیکھا کیے

آئینہ خانہ ہی دنیا ہر جگہ تصویر ہے
سینکڑوں جلوے ترے شام و سحر دیکھا کیے

وائے حسرت آدمی ہو کر ہم اس قابل نہیں
تیرے صدقے میں اڑتے جانور دیکھا کیے

میرا ان کا حشر میں آنا تماشا ہو گیا
کچھ ادھر دیکھا کیے اور کچھ ادھر دیکھا کیے

واہ کیا دیگا کوئی شاعر یہ لوبی اور ہے
شعر سنکر میرا منہ اہل نظر دیکھا کیے

عجب شکل ہی پیاری پیاری تمہاری
خدا کی خدائی ہی ساری تمہاری

شرم سے ہم بچھائے ہیں آنکھیں
کب آتی ہے دیکھیں سواری تمہاری

دوپٹہ کہیں سے کہیں جا رہا ہے
مزہ دیگئی پردہ داری تمہاری

رقیبوں سے کس طرح اٹھکھیلیاں ہیں
کہیں ہو نہ جائے ہماری تمہاری

خدا کے لیے ہوش میں آؤ شاعر
مٹا دیگی یہ بیقراری تمہاری

دیکھتا ہوں وہ جوانی جوش پر آتے ہوئے
روکتا ہوں دل کو ہاتھوں سے نکل جاتے ہوئے

اف یہ پیرا ہر ادا پر بیٹھنا دل تھام کر
ہائے وہ گردن جھکانا اسکا شرماتے ہوئے

ڈال دو منہ پر کفن آلودۂ عصیاں ہوں میں
شرم آتی ہی خدا کے سامنے جاتے ہوئے

آج جو صورت تمہاری ہے وہ دل میں نقش ہے
روز تو وہ کیا کسی بیمار کو دیکھا کریں
شرم کیسی؟ ہم سکھا دینگے تمہیں بے باکیاں
کیا کسی کی ہستیاں ہیں آج ہو یا دل ہو؟
نزع کا عالم ہے پیارے لو گلے لگ جاؤ اب
یا لبالب ساغر بلور رکھدے سامنے
کر دیا پامال اس صورت سے شاعر کا مزار

ایسا جوبن تم نے دیکھا ہی نہیں آتے ہوئے
پوچھ لیتے ہیں کبھی آتے ہوئے جاتے ہوئے
تم ادھر دیکھا کرو آتے ہوئے جاتے ہوئے
جب سر فغفور دیکھا ٹھوکریں کھاتے ہوئے
گر پڑینگے ضعف سے پھر ہاتھ تھراتے ہوئے
دیکھ لے یا کوئی ان آنکھوں میں نیند آتے ہوئے
ٹھوکروں پر ٹھوکریں آتے ہوئے جاتے ہوئے

جز خدا شاعر کسی سے مانگنا تحقیر ہے
شرم آتی ہے ہمیں تو ہاتھ پھیلاتے ہوئے

اگر دل میں زبان تیر ہوتی
نہ بگڑو بوسہ لینے پر نہ بگڑو
مزا کیا چھپ چھپا کر مل گئے تم
جوانی چار دن کی چاندنی ہے

تو پھر چبھتی ہوئی تقریر ہوتی
نہ دل ہوتا نہ یہ تقصیر ہوتی
کھلے بندوں کوئی تدبیر ہوتی
کسی کی یہ نہیں جاگیر ہوتی

غزل لکھنے کو تو لکھی ہے شاعر
پریشانی میں کیا تسطیر ہوتی؟

نشے میں نہیں گردن نہ جھکائے کوئی
جان تک نقش نگاریں یہ مٹائے کوئی
غیر کا اس میں ذرا دھیان نہ لائے کوئی
انکو بھا دیں بھی نہیں ہم کو ہے جینا مشکل

ہمیں جھوٹے سہی آنکھیں تو ملائے کوئی
پھر بھی تصویر کے پردے میں نہ آئے کوئی
آج جانا تھا کہیں آنکھ بچائے کوئی
ایسی تقدیر کو کیا آگ لگائے کوئی

تضمین

شبِ غم مجھ سے یہ کہتا ہی خیالِ مژگاں — تیر ماروں جو ذرا آنکھ لگائے کوئی
تیرے کہنے ہی کا انداز ہٹا دیتا ہے — کونسی بات پہ ایمان نہ لائے کوئی
مجھ سے پوچھے کوئی میں بات بتاؤں دل کی — اس لیئے روٹھ رہی ہیں کہ منائے کوئی
اے دعائے سحری اتنا اثر پیدا کر — آنکھیں ملتا ہوا گھر سے نکل آئے کوئی
اونے پونے یوں ہی دینگے متاعِ دل کو — بنکے گاہک تو ذرا دام لگائے کوئی
وائے حسرت تری تصویر کو بھی ہم ترسیں — اور یوں تجھ کو کلیجے سے لگائے کوئی

حسنِ یکتا کا اسے فرق دکھا میں شاعر
آئینہ لیکے اگر سامنے آئے کوئی

مریضِ غم ہیں اجل کا پیام باقی ہے — سحر جو خیر سے گذری تو شام باقی ہے
کسے امیدِ سحر ہے شبِ فراق اے دل — سنبھل سنبھل کہ بڑی روک تھام باقی ہے
کسی کو قدر نہیں سب کو دیکھ بھال لیا — بس اب جہاں میں محبت کا نام باقی ہے
تلوّنوں میں تمہیں ہوش ہی نہیں اپنا — کہیں بھی چین کہیں بھی قیام باقی ہے

دل اسکا لے ہی چکے جیز دعا کے بوجے ہم
اب اور کیا تمہیں شاعر سے کام باقی ہے

یوں تو شکوہ بھی ہمیں آئینہ رو آتا ہے — ہونٹ سل جاتے ہیں جب سامنے تو آتا ہے
دل دکھانیکے سوا جان جلانیکے سوا — اور بھی کچھ تجھے او جانِ عدو آتا ہے
جانکنی ہی شبِ وعدہ مری تقدیر میں کیا — دم نکل چکتا ہی افسوس نہ تو آتا ہے
پوچھتے کیا ہو تمناؤں کی حالت کیا ہی — سانس کے ساتھ اب اشکوں میں لہو آتا ہے
ہاتھ دھوئے ہوئے ہوں نیستی و ہستی سے — شیخ کیا پوچھتا ہی مجھ سے وضو آتا ہے

بس خدا کے لئے بھر پایا یونہی جینے دے
دردمندوں کو مرے حال کی برداشت کہاں
منتیں کرتی ہے جنون کہ منالوں تجھ کو

وعدہ کرکے کبھی بھولے سے بھی تو آتا ہے
ہر لب زخم سے رس رس کے لہو آتا ہے
جب مرے سامنے روٹھا ہوا تو آتا ہے

یار کا گھر کوئی کعبہ تو نہیں ہے شاعر
ہائے کمبخت یہیں مرنے کو تو آتا ہے

دل میں گھر کر گئی اس درجہ محبت تیری
وہ بھی دن ہوں کہیں اللہ غریبوں کی سنے
بیڑیاں کاٹ کے شمشیر رکھی گردن پر
لہلہا جائے مری کشت تمنا یارب
دل دیا پھینک دیا۔ سر کو جھکایا تو ہٹا
بوسے ملنے تھے کبھی زہر بھی اب مشکل ہے
جو نظرباز ہیں وہ بھانپ لیا کرتے ہیں

ذرے ذرے سے چمکنے لگی صورت تیری
ہر سحر اٹھ کے میں دیکھا کروں صورت تیری
کہتے ہیں خیر گھٹا دیتی ہیں مدت تیری
چار دن جم کے برس جائے جو رحمت تیری
ہائے دنیا سے نرالی ہے طبیعت تیری
کس سے سنورے گی بگاڑی ہوئی عادت تیری
لاکھ پھولوں میں بھی چھپتی نہیں رنگت تیری

تجھ کو کیا ہو گیا شاعر جو مٹا جاتا ہے
اس کو ضد ہے وہ نہیں دیکھنا صورت تیری

دل میں ہے درد۔ درد میں ارمان بھرے ہوئے
اس کا جواب دیر و حرم میں کہیں نہیں
کانٹے کی طرح دل میں کھٹکتے ہیں موت کے
اک دن برس پڑیں گے ہمیں پر یہ کھل گیا

سینے میں تیر تیر میں پیکاں بھرے ہوئے
جس دل میں ہوں خزانۂ عرفاں بھرے ہوئے
جو پھر رہے ہیں پھولوں سے داماں بھرے ہوئے
کب تک پھرو گے روز مری جاں بھرے ہوئے

شاعر کسی کا دیدہ و دل میں مقام ہے

ہیں آجکل یہ جنانہ ویران پڑے ہوئے

ہم جان دیں ہزار تمہیں ناگوار ہے — سچ ہی پرائے دل پہ کسے اختیار ہے

کچھ بھی کدورتیں ہیں نہ دل میں غبار ہے — پھر مل گئے تو آپکا پھر اعتبار ہے

تم نے تو کہدیا کہ حیا پردہ دار ہے — اس دل کو کیا کروں یہ بہت بیقرار ہے

ہیں روٹھ کر بھی آنکو منانا ہوں دیکھئے — اچھی یہ منصفی میرے پروردگار ہے

بار گنہ سے کانپتا ہے سبزہ لحد — یہ بھی غریب میری طرح شرمسار ہے

دم کی ہی خیر دم میں تو دم ہی نہیں عدم — اتنی سی بات پر میرا دارومدار ہے

بس بس خدا کیواسطے قسمیں نہ کھائیے — جو بات ہی فریب کی ہی پیچدار ہے

ہر پھر کے روز گرتی ہی کانٹا ہی برق ہی — میرے تو آشیانے کا تنکا بھی خار ہے

شاعر کا نام سنتے ہی بولے سمجھ گئے — ہم جانتے ہیں ایک ہی پرہیزگار ہے

بری ٹھہری ہوائے ابروئے گندا میں ہے — گلے ملنے لگے تلوار سے یہ پیار میں آئے

غضب کے لطف لیتی ہی نظر اب سینہ و رخ پہ — بہاریں آگئیں پھل پھول قد یار میں آئے

نیا انداز ہی یہ بھی عجب الٹی ادائیں ہیں — ہمارا خوں بہے جوہر تری تلوار میں آئے

بنایا رو کش کعبہ برہمن کوئے جاناں کو — جب آئی سر کے بل ہم کوئے دلدار میں آئے

دکن چلئے یہاں رہنے سے اب کچھ فائدہ شاعر — جبھی کچھ قدر ہو یوسف اگر بازار میں آئے

نگاہ یار کی برچھی غضب کی نشتیں نکلی — کھٹکنے میں نہیں ابھری تڑپنے میں نہیں نکلی

نہیں سنتا کسی کی ان ضدوں کا کیا ٹھکانا ہے — قیامت آگئی بس جبھی منہہ سے نہیں نکلی

ہمارے پاس بیٹھو اور دشمن پر بھی نظریں ہوں
کھٹکتی تھی جو دل میں پھانس وہ اب تک نہیں نکلی

سوالِ وصل بس اتنا کہا تھا جس پہ روٹھے ہو
ابھی تو بات بھی پوری مرے منہ سے نہیں نکلی

اسے مرنے پہ سارے آدمی کے ساز و ساماں نکلے
بنایا گھر بھی دنیا میں تو کل دو گز زمیں نکلی

خلیلِ عصر کہلایا مجھی بھی مل گئی جنت
لبوں سے پھول برساتی جو آہِ آتشیں نکلی

سمندِ اوجِ رفعت بن گئی طبعِ رسا شاعر
جدھر مہمیز کی ہم نے فلک بنکر زمیں نکلی

ٹپکتا ہے برستا ہی یہی اندازِ قاتل سے
رنگیلا آج ہولی کھیلنے نکلا ہے بسمل سے

قسم ہے سینکڑوں پردے پڑے ہیں آنکھ تک دل سے
مرا کعبہ نظر آتا ہے مجھ کو لاکھ منزل سے

خدا جانے کہاں کی دل لگی تھی نزع کی دل سے
ابھی چونکا دیا پھر کیا گئی تھی آنکھ مشکل سے

بسر ہو جاتی ہے ہر طرح منعم خاکساروں کی
فقیروں کو غرض کیا ہے ترے خورشیدِ منزل سے

مسافت گھٹ گئی ہے سر کاٹ لیجے - آپ مالک ہیں
بری نظروں سے دیکھا ہو کسی کو پائے دل سے

یہ کوئی بات ہے رکھ کے خنجر پھر ہٹا لینا
خدا کے واسطے غمزے نکیجے نیم بسمل سے

عنایت کی ہے کیسی کوزہ گر نے دل شکستوں کی
بنا ہی بھی تو کیا ٹوٹے ہوئے ساغر ہی گل سے

کہاں کی شرم - ہاں تم ہی سنورنے ہے آئینہ رکھ کر
مزا ہے دو دو چوٹیں ہوں ذرا مدِ مقابل سے

کسے فرصت غزل کہنے کی شاعر شوق کی لیجے
یونہی چلتے چلاتے لکھ لیے ہیں شعر پنسل سے

سنورتے زلف کے حلقے جدھر زنجیر ہو جاتے
بگڑتے آپ جب پہلو مری تقدیر ہو جاتے

کوئی ہم سے جدا کرتا نہیں کیا تاب و طاقت تھی
اگر دل کی گرہ کو ناخنِ تدبیر ہو جاتے

تماشا بن گئی تھیں ہجر میں بیتابیاں اپنی
ہمیں تم دیکھتے آ کر اگر تصویر ہو جاتے

جدا ہونا تھا ہو نہ بیٹھے خفا ہونا تھا ہو نکلے
سبھی کچھ ہو چکا اب کیا مری تقدیر ہو جائے

کہاں ہیں حضرت شاعر ذرا انکو بلانا تھا
کہ وہ بھی آن کر اس گنجفے میں میر ہو جائے

قیامت بنکی شوخی تری رفتار سے نکلی
جہاں سایہ پڑا گویا پری دیوار سے نکلی

کہیں انکار سے نکلی کہیں اقرار سے نکلی
نہیں کیا تھی چھری بنکر زبان یار سے نکلی

حبابانے ٹھوکریں کھلوائیں تو آندھی نے چکرایا
ہماری خاک کیا برباد کوئے یار سے نکلی

کوئی کیا بن سکیگا سب بناوٹ ہی تصنع ہی
قسم ہی جو ادا نکلی تری سرکار سے نکلی

گنہگاروں میں غل تھا شافع روز جزا آئے
سواری آپکی جب حشر کے بازار سے نکلی

ہو ٹپکا بجائے اشک غم عبرت کی آنکھوں سے
زلیخا جب گدائی کے لیے دربار سے نکلی

خدا جانے یہ کیا ہی سیدھی باتیں الٹی ہوتی ہیں
غضب کی لاگ شاعر چرخ کجرفتار سے نکلی

یہ کس نے کہا قتل کیا تم نے ادا سے
کچھ خیر ہی سنبھلو ذرا لڑتے ہو ہوا سے

اب نیم نگاہی میں بھی ہی برق کا عالم
کیا جانے کہا کیا تری شوخی نے حیلے سے

ذرہ بھی تو سیرت کا نہیں ظاہری صورت
کھلتے ہیں کہیں غنچۂ تصویر ہوا سے

مدت ہوئی وہ موتی کی لڑیاں نہیں دیکھیں
قربان تری دیکھ لے پھر ہنسنے کی ادا سے

وحشی ہیں مگر وضع کے پابند ہیں اتنے
برسوں ہوئی واقف نہیں زنجیر صدا سے

بوسے کا اگر دھیان بھی آجائے کسی کو
چھپ جائیں وہ تصویر کے پردے میں حیا سے

شاعر ترے اس کہنے پہ مر جائے نہ کیونکر
جا چھوڑ دیا آج تجھے خوف خدا سے

بہار آئی ہے پھر چمن میں نسیم اٹھلا کے چل رہی ہے
ہر ایک غنچہ چٹک رہا ہے گلوں کی رنگت بدل رہی ہے

وہ آ گئے لو۔ وہ جی اٹھا میں عدو کی امید یاس ٹھہری
عجب تماشا ہے دل لگی ہے قضا کھڑی ہاتھ مل رہی ہے

بتاؤ دل دوں؟ نہ دوں کہو تو عجیب نازک معاملہ ہے
ادھر تو دیکھو نظر ملاؤ یہ کس کی شوخی مچل رہی ہے

تڑپ رہا ہوں یہاں میں تنہا وہاں عدو سے وہ ہم بغل ہیں
کسی کے دم پر بنی ہوئی ہے کسی کی حسرت نکل رہی ہے

گھٹا وہ چھائی وہ ابر اٹھا یہی تو ہے وقت میکشی کا
بلاؤ شاعر کسے کہاں وہ شراب شیشے سے ڈھل رہی ہے

دکھائی یار کی ترچھی نظر میں کیوں نہ رہے
چھری سی اک مرے زخم جگر میں کیوں نہ رہے

ادھر وہ شوق تلون کہ بے حجاب پھرو
ادھر یہ ضد ہے کہ نیچی نظر میں کیوں نہ رہے

زباں جلے جو ترے تیر کی شکایت ہو
یہ دل میں کیوں نہ رہے یہ جگر میں کیوں نہ رہے

غم رقیب میں چھپ چھپ کے ہم سے رو لینا
عجیب بات ہے پھر درد سر میں کیوں نہ رہے

برائی بات جو ایسی بھی ہو برائی ہے
مری زبان دہن نامہ بر میں کیوں نہ رہے

دعاؤں پہ مری اس طرح دا ٹلتی ہے
یہ کیسے ہاتھ ہیں دو دو پہر میں کیوں نہ رہے

کھٹکتی رہتی ہے اک اک خطا جو شاعر کی
گنہگار ہے تری نظر میں کیوں نہ رہے

آنکھیں چرا کے آپ جو روپوش ہو گئے
ایسی چڑھی ہیں ... ہیں بیہوش ہو گئے

اب کیا ہماری یاد۔ زمانہ گذر گیا
مدت ہوئی کہ تم کو فراموش ہو گئے

بُت بنگئے وُہ سُن کے مری داستانِ غم
ایسا مزہ مِلا ہمہ تن گوش ہو گئے

اپنی کہی تو لاکھ زبانیں ہیں بات میں
میری سُنی تو سُنتے ہی خاموش ہو گئے

کل جانتے تھے۔ آج جو پہچانتے نہیں
اللہ۔ ایسے زود فراموش ہو گئے

جتنی سَوائی ڈھلتی ہے بنتا ہے میرا کام
ساقی ترے نشے تو مرے ہوش ہو گئے

بوسے دیئے ہیں گالیاں بکر جو آپ نے
وُہ لفظ مجھ کو نیش سے اب نوش ہو گئے

شاعر یہ سمجھے ہم کہ بہشت بریں میں ہیں
دم بھر کو بھی جوان سے ہم آغوش ہو گئے

کوئی کل ہی نہیں قرینے سے
باز آئے ہم ایسے جینے سے

پھر تڑپنے لگا دلِ مضطر
پھر لگاتے ہیں ہم کو سینے سے

دِل کی حالت بیان کرتا ہوں
آئیے بیٹھئے قرینے سے

اب وُہ مُنہہ بھی نہیں لگاتے ہیں
جو لگاتے تھے ہمکو سینے سے

دیکھنا دِل ہے جل گیا ہو کہیں
اِک دُھواں اُٹھ رہا ہے سینے سے

ہائے مرتا ہُوں تیرے دانتوں پر
کِس نے یہ جڑ دیئے نگینے سے

آج کیا ہے مہک گئے در و بام
کیا صبا آئی ہے مدینے سے

مر کے بھی اہلِ علم کے مرقد
نظر آتے ہیں سب دفینے سے

چارہ گر میں ضرور تڑپوں گا
فایدہ کیا ہے زخم سینے سے

پہلے ہستی ہی کیا تھی شاعر کی
آدمی بن گیا ہے پینے سے

ملو تم اگر۔ کوئی مشکل نہیں ہے ۔۔۔ مگر کیا کرو۔ پیار کا دل نہیں ہے

رقیب آگیا۔ اُٹھ گئے بزم سے وُہ ۔۔۔ الٰہی یہ پہلی سی محفل نہیں ہے

خدا کے لئے اب نہ چھیڑو نہ چھیڑو ۔۔۔ مرا دل ستانے کے قابل نہیں ہے

اثر جب نہ عاشق کا معشوق پر ہو ۔۔۔ تو سمجھو کہ وُہ جذب کامل نہیں ہے

جگر میں جو ہے داغ رہنے دو اسکو ۔۔۔ تمہارے دکھانے کے قابل نہیں ہے

چھری پھیر کر مسکراتے ہو پھر وں ۔۔۔ کوئی تم سا دنیا میں قاتل نہیں ہے

یہ کیا ضد ہے شاعر سے ہرگز نہ ملنا
وُہ کمبخت ملنے کے قابل نہیں ہے

ہر بات چھانٹ لیتے ہیں مشکل تراش کے ۔۔۔ پیکاں نکالتے ہیں مرا دل تراش کے

فرہاد کی طرح جو سلیقہ مجھے بھی ہو ۔۔۔ رکھ لوں تری شبیہ مقابل تراش کے

ایسا نہو کہ خون کسی آرزو کا ہو ۔۔۔ اے چارہ گر نہ دیکھ مرا دل تراش کے

دل پر ہی وار ترچھی نظر کا ہوا تو کیا ۔۔۔ جب ہے کہ یہ جگر بھی ہو شامل تراش کے

شاعر انہیں خیال تو آیا ہزار شکر
پہنچا ہوں اب۔ فراق کی منزل تراش کے

اس دل کی تسلی کبھی فرمائی تو ہوتی ۔۔۔ جھوٹی ہی قسم تم نے کبھی کھائی تو ہوتی

دل آتا ہی جس کا اُسے میٹا نہیں کرتے ۔۔۔ یہ بات کسی نے انہیں سمجھائی تو ہوتی

میں تیری تواضع کو ہوں سو جان سے حاضر ۔۔۔ اے موت کبھی بھول کے تو آئی تو ہوتی

دل چھین کے پھر کیوں مری پہلو پہ نظر ہے ۔۔۔ او نرگس جادو کہیں شرمائی تو ہوتی

اس پر بھی کوئی حصر ہے شاعر یہ جنوں ہے

دو دن کو طبیعت کہیں بہلائی تو ہوتی

وصل کی صورت نہ نکلی آجتک میرے لئے
مثل بلبل یاد عارض پہ تڑپ جاتا ہوں میں
واہ کیا انصاف ہوتا ہی تمہاری عہد میں
آنکھ لگتی ہی خیال نوک مژگاں میں کہاں
سامنے رکھ کر دل ماندہ کو فرماتے ہیں وُہ
ہاتھ جاتا ہی گریباں پر وہیں بے اختیار
چارہ گر بیزار ہوں میں چارہ سازی سے تری
چین دم بھر بھی نہیں آتا کسی کل کیا کروں
پوچھتے رہتے ہیں خنجر کو وُہ ہر ہر زخم پر
آج تو آتے اُلٹ ساقی اُلٹ جاؤں ابھی

ایک بھی گردش نہ کی تو نے فلک میرے لئے
کیا بتاؤں کیا ہی پھولوں کی مہک میرے لئے
غیر کو دیدار یوں ہی سی جھلک میرے لئے
برچھیاں کھاتی ہیں جھپکانی پلک میرے لئے
ہاں ذرا او بلبل دل پھر چہک میرے لئے
مژدہ وحشت ہی غنچے کی چٹک میرے لئے
جب مزا ہی زخم دل پر ہو نمک میرے لئے
درد نے اچھی نکالی ہی چھنک میرے لئے
خون میں رہتا ہی دامن چک چک میرے لئے
اک تسلی سی ہی ساغر کی چھلک میرے لئے

داغ سا اُستاد جب شاعر مرا اُستاد ہی
پھر زمین شعر میں ہیں سو فلک میرے لئے

دل کی مراد آگئی جو بن برس گئے
تم خواب ہی میں شکل دکھا دو کسی طرح
چھپتا نہیں ہی کوئی کہیں بھی خدا گواہ
بدرُوپ ہوگئے مری ہوں سے زخم دل
ہمسا بھی نالہ کش نہ سُنا ہوگا عمر بھر
تلوار مول لی تھی ہمارے ہی واسطے

تم کو گلے لگاتے ہی پھولوں میں بس گئے
مدت ہوئی کہ جلوۂ رُخ کو ترس گئے
جس دن سے آپ میری نگاہوں میں بس گئے
ایسی ہوا چلی کہ یہ غنچے بکس گئے
صیاد تیرے گھر میں قفس گھر قفس گئے
فقرہ تھا یہ بھی کوئی جو وُہ ہم پہ کس گئے

اتنا ستاؤ جو کوئی ہنس ہنس کے ٹال دے
پھر کیا مزہ جو ہم سوئے فریاد رس گئے
جوبن میں شوخی رہتی ہیں نازک مزاجیاں
دم بھر کو بھی جو آگئے تو ہم پہ برس گئے
پامال کرکے پوچھتے ہیں کس ادا سے وہ
اس دل میں آگ تھی مرے تلوے جھلس گئے

اس واسطے کہا تھا نہ **شاعر** سے روٹھیے
اب کیا وہ آنے والے ہیں سرکار بس گئے

یہ کیسے بال کھولے آئے کیوں صورت بنی غم کی
تمہارے دشمنوں کو کیا پڑی تھی میری ماتم کی

پس پردہ بھی تو مہلت نہیں ملتی کوئی دم کی
نگاہِ یار کی بجلی اُدھر تڑپی اِدھر چمکی

شکایت کس سے کیجے ہائے کیا اُلٹا زمانہ ہے
بڑھایا پیار جب ہم نے محبت یار نے کم کی

بس اب دیکھا نہیں جاتا ہمارا دم اُلجھتا ہے
شرارت دیکھ لیجے آپ اپنی زلفِ برہم کی

جگر میں درد ہے دل مضطرب ہے جان بسمل ہے
مجھے اس بیخودی میں بھی خبر ہے اپنے عالم کی

فرشتے والہ و شیدا ہیں مرتے ہیں پریاں بھی
خُدا جانے اثر کیا بھر دیا صورت میں آدم کی

نہیں ملتی نہ ملئے خیر کوئی مر نہ جائے گا
خدا کا شکر ہے پہلے محبت آپ نے کم کی

عدو جس طرح تم کو دیکھتا ہے ہم سمجھتے ہیں
چھپاؤ لاکھ تم چھپتی نہیں ہے آنکھ محرم کی

نظر ملتے ہی وہ ساغر پلائے واہ کیا کہنا
جھکا بیٹھا ہوں کب سے خیر ہو ساقی ترے خم کی

تمہیں بھی کچھ خبر ہے کیا گذرتی ہے غریبوں پر
یہاں تو آہ کو فرصت نہیں ملتی کوئی دم کی

مزا اس میں ہی ملتا ہے نمک چھڑکو نمک چھڑکو
قسم لے لو نہیں عادت مرے زخموں کو مرہم کی

کہیں بھولے سے میں نے چھو لیا تھا آگئی شامت
اسی پر بل پڑا ہے کیوں تمہاری زلفِ برہم کی

کہاں جانا ہے تھم تھم کر چلو ایسی بھی کیا جلدی
تم ہی تم ہو خدا ہی نظر پڑتی ہے عالم کی

کوئی ایسا ہو آئینہ کہ جس میں تو نظر آئے
زمانے بھر کا جھوٹا کیا حقیقت ساغرِ جم کی

گھٹائیں دیکھ کر بیتاب ہے جی جیسے ہر شاعر
ترے قربان او مطرب سنا دے کوئی موسم کی

نکل جائے نہ دم ضبطِ فغاں سے
بہے جاتے ہیں نالے ہچکیاں سے

نہ اٹھوں گا درِ پیرِ مغاں سے
گھٹا برسے گی جبتک آسماں سے

کسی کا ذکر ہے سننے سے مطلب
الجھتے ہیں ہماری داستاں سے

جبینِ یار سے چھٹتی ہے افشاں
ستارے جھڑ رہے ہیں آسماں سے

رہے محشر میں بھی حاضر جوابی
کوئی دو چار فقرے ہوں رواں سے

کسی دن چرخ بھی پامال ہوگا
زمیں کا کام لوگے آسماں سے

مجھے بھاتا ہے اپنا کنجِ عزلت
الگ رہتا ہوں میں سارے جہاں سے

بہت سن لی بس اب آپے میں رہئے
نکل جائے نہ کچھ میری زباں سے

مری وحشت کو یہ بیتابیاں ہیں
ذرا دیکھوں سیا دامن کہاں سے

ابھی میں تیری چتون دیکھتا تھا
خدا جانے پڑی برچھی کہاں سے

کمر باندھی ہے کیوں خونریزیوں پہ
یہ خنجر ہاتھ آیا ہے کہاں سے

چراغِ باغِ ہستی ہیں گلِ تر
جلا رکھے ہیں بلبل نے فغاں سے

تبسم زیرِ لب رخ پر لٹیں ہیں
یہ لٹ دھاری بنے آئی؟ کہاں سے

کبھی تم نے سنا دردِ محبت؟
کبھی ہم نے کہا اپنی زباں سے؟

مبارک حضرتِ آصف مبارک
مبارکباد شاعر کی زباں سے

تمہارے حسن کا شہرہ ہماری داستاں تک ہے
کہ جیسے آتشِ گلزار بلبل کی فغاں تک ہے

دہن جہرے پہ مثل زخم ہے کس کا شکوہ ہو
کسی کے ایک ہی جلوے سے تو رسوا ہوئی کیا

ہماری جیتے جی ہرگز نہ مٹا حرص کا دامن
ہزاروں سے سنے وہ لفظ لیکن لفظ تھی گالی

نہ کیوں ہو بیخودی پی رسیلی آنکھ تو دیکھو
ہماری داستان غم سنی سنکر یہ فرمایا

اثر ہوتا نہیں ہر دو سمت اپنی سوزش کا
رقیبوں سے بگڑ کر آئے بیٹھے نہیں جن

ستانے کو تمہیں تو اک نہیں ہو آسمان تک ہے
زلیخا کیوں خیال یار کا دامن کہاں تک ہے؟

یہی سنتے رہے ہم تو یہاں تک ہی وہاں تک ہے
تمہاری بات کی شوخی تمہاری ہی زبان تک ہے

نرا ساغر نہیں ہیں شراب ارغوان تک ہے
جسے تم کہہ رہے ہو کیوں جی یہ قصہ کہاں تک ہے

رنگ شمع محفل آہ کا شعلہ زبان تک ہے
کسے معلوم تھا یہ بھی نصیب دشمنان تک ہے

غزل گوئی کوئی شے ہی نہیں توبہ کرو شاعر
اگر کچھ لطف ہی تو بلبل ہندوستان تک ہے

جب سنا ہم نے کہ وہ دشمن کے گھر میں رہ گئے
ذبح کرنا سخت جانوں کا کوئی آسان تھا

یہ گھٹائیں۔ یہ بہاریں اور ہم اب تک ادھر
کیا برابر کی لگی تھی شمع کیا پروانہ کیا

اسکی رحمت سے گنہگاروں کو جنت مل گئی
کچھ کبھی کی جان ہی پہچان ہے کیا بات ہے

دو قدم چلنا بھی ان کو بار ہے دشوار ہے

داغ حسرت خون ہو ہو کر جگر میں رہ گئے
آپ تو اک خندہ زخم جگر میں رہ گئے

آج تو گھر کے کہیں وہ ابر تر میں رہ گئے
دونو کے دونوں ہی جلکر رات بھر میں رہ گئے

شیخ صاحب آپ اپنی کر و فر میں رہ گئے
کون تھے تم جو نظر چڑھ کر نظر میں رہ گئے

دل سے نکلے جو گھڑی بھر کو نظر میں رہ گئے

جب سنو یہی سنو شاعر کو عشق زلف ہے
یہ میاں پیر اک کس کالے بھنور میں رہ گئے

نکالا منہ سے کچھ نکلی نہ کچھ بھی قلبِ مضطر کی
کسی کے سامنے یوں بن گیا تصویر پتھر کی

خدا سے کیوں نہ مانگوں وا دیں بندوں سے کیا مانگوں
مجھے مل جائیگی جو چیز ہے میرے مقدر کی

کبھی تم راہ بھولے ہو کبھی یہ راہ بھولا ہے
تمہارا چال چلنا چال ہے میرے مقدر کی

تصور چاہئے اے شیخ سب کا ایک معنی ہے
صدا ہے پردۂ ناقوس میں اللہ اکبر کی

خدا جانے کہاں کا روٹھنا سیکھا ہے تو نے
ابھی من کر ذرا بیٹھے تھے پھر لی تم نے تیور کی

دلِ راحت طلب کو قبر میں کیا بیقراری ہے
مجھے گھبرائے دیتی ہے اُداسی اپنے گھر کی

ابھی بیٹھے یہ مجھ کو قتل کرنے آپ آئے تھے
ٹھہر جاتی ہے دیکھو بار دیکھو اپنے خنجر کی

ہزاروں داغ دل میں حسرتیں لاکھوں
کمائی لے چلا ہوں ساتھ اپنے زندگی بھر کی

انہیں اک جسم نازک پر کیا گذرتی ہے
سحر تک جنکو بے چینی رہی ہے چین بستر کی

سنبھل کر دیکھنا آرائشوں کے بعد آئینہ
یہ آئینہ نہیں ہے اب یہ لڑکی ہے برابر کی

مرے اشعار شاعر داغ واقف جاہ سے پوچھو
کہ شاہ جوہری ہی جانتے ہیں قدر گوہر کی

بیقراری نے مری بیداد پر بیداد کی
پہنچے جو ہاتھ چھلے انگلیاں کٹنے لگیں صیاد کی

ہم صفیروں میں کسے مہلت نہیں فریاد کی
اک ہمیں ہیں تیز رہتی ہے چھری صیاد کی

آئی قیامت ہی بپا کیا دھوم ہے بیداد کی
تم نے تو صورت بدل دی عالم ایجاد کی

مر کے بھی لذت نہ بھولائیں تری بیداد کی
ہائے ظالم کیا روش تھی خنجر فولاد کی

دھیان تو ہے دل میں منہ سے نام لو دو یا نہ لو
بھول جانا نہیں ہے اُس کی اک جھلک بیداد کی

جب مزا ہے زیست کا قید علائق میں نہ ہو
اس چمن میں زندگی ہو سرو سے آزاد کی

ہم بسمل ہوں ابھی خنجر نہ کھولو ہاتھ سے
یہ تو حسرت نہ رہ جائے دل ناشاد کی

عاشق و معشوق میں دو ہی کماں کا فرق تھا
تیرے گھر کے آگے وہ کیا مال ہی اے حور وش
تم کبھی آتے تو ہم تک حشر ہوتا تو کہیں
تازیانے کی ضرورت گیسوئے مشکیں تو نہیں
وار دشمن پر ہوا تھا میں تڑپ کر گر پڑا
یہ کہاں سی جھومتی آئے ان آنکھوں کے نثار
سوز غم سے آگ ہوں میری اسیری کیا ضرور

عرش تک ایسی رسائی اور آدم زاد کی
کوڑیوں کے مول بھی جنت نہ لوں شداد کی
کچھ تو ہم کو داد ملتی داد کی بیداد کی
اپنے دیوانے کو چھڑیاں ماریے شمشاد کی
میں یہ سمجھا آپ نے مہندی مری آزاد کی
مرمٹا میں آپ نے اچھی روش ایجاد کی
موم ہو جائیں نہ ظالم بیڑیاں فولاد کی

حشر میں شاعر کی مشکل آپ ہی آساں کریں
یا علی ہی آپ ہی سے التجا امداد کی

قیامت بھی کچھ سوچ کر بچ گئی
لب لعل چوما عدو نے ۔ نہ بگڑے
یہاں دل میں جو ٹھان لی ٹھان لی
نہیں چھٹتا ہاتھوں سی خون شہید

وہ محشر میں آئے ہی مچ گئی
یہ دولت اسے کس طرح پچ گئی
طبیعت میں جو جچ گئی جچ گئی
یہ مہندی بھی جب رچ گئی رچ گئی

تری طبع موزوں پہ مرتا ہوں شاعر
کہ جس رنگ میں جو کہی بچ گئی

یہ سچ کہا ہی کسی نے ضرور ہوتا ہے
فروغ داغ محبت ضرور ہوتا ہے
گناہگار ہمیں تو ہیں ایک لے دے کر
بھلی چلائی بگڑنے کی ان کو عادت ہے

نظر سے دور جو ہو دل سی دور ہوتا ہے
اسی چراغ سے دل شمع طور ہوتا ہے
ہمیں سی جرم ہمیں سے قصور ہوتا ہے
کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور ہوتا ہے

اسی لئے تو کہا تھا نہ دیکھو آئینہ
وہی بناؤ ہیں۔ دشمن کے گھر سدھار گئے
نگاہِ مست نے تیری اُلٹ دیا جیسے
جو دردِ عشق نہ ہوگا تو مر نہ جاؤنگا

تم اب کہاں ہو؟ کوئی دم میں غرور ہوتا ہے
وہی بگاڑ یہ پھر اب سے دور ہوتا ہے
کسی شراب میں اتنا سرور ہوتا ہے؟
یہ زندگی میں کہیں مجھ سے دور ہوتا ہے

کہاں نصیب یہ شاعر! وہ دردِ دل پوچھیں
میں مُسکرا کے کہوں ہاں حضور ہوتا ہے

پیدا کیا رقیب مری جان کے لئے
جی چاہتا ہے دامنِ محشر سے مانگئے
غیروں کو بھیجتے ہیں عیادت کیواسطے
سر رکھ دیا ہے جھوم کے اُس نے جو دوش پر

تھوڑی سی شرم چاہئے انسان کیلئے
دو ٹکڑے چاہئیں ہیں گریبان کیلئے
یہ اور آفتیں ہیں مری جان کیلئے
مر مر گیا ہوں اتنے سے احسان کیلئے

افسوس میری نظم نہ پہنچی حضور[51] تک
شاعر یہی تو نذر تھی سلطان کیلئے

دشمن بھی دردِ دل میں نہ ہو مبتلا کبھی
مارا ہے مجھ کو پردے ہی پردے میں یار نے
ابھی نہیں ہے راہ میں یہ فرقت تاک جھانک
کیوں جی وہ کب ملو گے قیامت کب آئیگی؟
تھمتی نہیں ہے کاوشِ مژگاں کی چھیڑ چھاڑ
عالم کا خون ہے مری گردن پہ اسلئے

ایسی بلا کسی پہ نہ ڈالے خدا کبھی؟
افسوس بھول کر بھی نہ ظالم کھلا کبھی
کس کس کو دیکھتے ہو یہ ہے دیکھنا کبھی؟
جو منہہ سے کہہ چکے ہو وہ تم نے کیا کبھی؟
جاتا نہیں ہے زخمِ جگر کا مزا کبھی
تضمین
باندھے تھی اُنکے ہاتھ لگا کر حنا کبھی

[51] حضور سلطان دکن کی طرف اشارہ ہے ۱۲

افسوس گو مگو ہی رہا اپنا رازِ دل — ہم نے کہا کبھی نہ کسی نے سُنا کبھی

محبوب اُٹھ کے جاتے ہیں اُس درسے نالہ کش — کڑھتا ہوں جو یاد بھی آئے صدا کبھی

برسوں ہوئے کہ ترک ہوئی اُن سے بات چیت — ہوتا ہے رستہ چلتے یونہی سامنا کبھی

پھولوں کو چھوڑ کر مرے پہلو میں آ رہے — بلبل جو پائے زخمِ جگر کی ہوا کبھی

شاعر کچھ اُس کی شانِ کریمی سے دُور ہے
پھر چین ہیں مزے ہیں جو سُن لے خُدا کبھی

ناکامیوں میں کوئی نہ کوئی تو راز ہے — مایوس کیوں ہوں میں کہ خدا کارساز ہے

میری بھی سُن لے۔ دامنِ رحمت دراز ہے — بندہ نیاز مند ہے تو بے نیاز ہے

لایا ہوں سی کے پھر جگرِ زخم زخم کو — پھر اُن کو اپنی نیم نگاہی پہ ناز ہے

اپنے میں دیکھتا ہوں تصور سے یار کو — محمود آج آپ ہی اپنا ایاز ہے

یکساں ہو تم بھی غیر بھی کیا قدر ہو مری — اُس کو نگاہ ہے نہ تمہیں امتیاز ہے؟

نالہ کہ پاک صاف ہے دل بھی تو پاک ہو — زاہد خُدا کے واسطے یہ کیا نماز ہے

اس کی ہر شام اسکی ہر رات اسکی ہر سحر — شانے پہ جس کے یار کی زلفِ دراز ہے

مشکل ہزار بچا تھا مگر اس کو کیا کروں! — پھر اُس کی تاک میں نگہِ نیم باز ہے

محبوب کو بلا لیا۔ موسیٰ سے بچ گئے
شاعر یہی تو شوخیِ ناز و نیاز ہے

گلابی آنکھ اس مہوش کی مجھ سے آشنا کم تھی — شرابِ لعلگوں تھی تو سہی لیکن ذرا کم تھی

تمہارا چھپنا ہی موجب تھا کیا پیار کرتے تھے — سمجھ ہی اُس نہ ملنے میں تمہیں نام خدا کم تھی

نیا ہی بن گئیوں مہندی لگا ہاتھوں سے دشمن کو — جلانے کو یہ کیا آتش رنگِ حنا کم تھی؟

تمہاری گالیاں کھا کر جیا ہوں اے عدو لب سے
نہیں تو کیا سر محفل مجھے وہ سنکھیا کم تھی

یہ ممکن ہی نہیں دل جسکو چاہے وہ نہ ہاتھ آئے
سکندر تیرے دل میں خواہش آب بقا کم تھی

کوئی بھرپور ہوتا وار تو دل کی نکل جاتی
ہماری بدنصیبی سے انہیں مشق جفا کم تھی

خدا جانے ہوا کیا میں سسکتا رہ گیا قاتل
نہیں تھی باڑ ہی شاید تری خنجر میں یا کم تھی

نکلنے دیں نہ آہیں ضبط نے کنج اسیری میں
قفس کو لے کے اڑ جاتا مگر ظالم ہوا کم تھی

کہاں جائیں کہ عشق و عاشقی نے کھو دیا شاعر
نہ اس کی ابتدا کم تھی نہ اسکی انتہا کم تھی

حسرتیں سی حسرتیں ہیں جان کس مشکل میں ہے
اک خدائی ہے خدا رکھے جو میرے دل میں ہے

زندگی دل سے تھی ساری زندگی تو دل میں ہے
اک ہماری جان تھی وہ بھی کف قاتل میں ہے

سوزش پروانہ سے آخر پسینہ آگیا
رشک ہوتا ہے انہیں یہ شمع کیوں محفل میں ہے

اک نظر کا نیم بسمل ڈھونڈھنے جائے کہاں
اے مہ خورشید وش تو کونسی منزل میں ہے

ظاہرا ملتا ہوں میں دشمن سے اترا او نہیں
وہ نکلتا ہے کہیں جو اس سے کانٹا دل میں ہے

اک عدو کی ہیں تمنائیں نکلتی ہیں جو روز
اک ہماری آرزو ہے جو ہمارے دل میں ہے

دم نکلتا ہے نہ وہ آتے ہیں آخر کیا کروں
کشمکش سی کشمکش ہے جان کس مشکل میں ہے

میں تڑپتا ہوں ادھر کھنچتا ہے دنبالہ ادھر
تیر چٹکی میں کہیں پیکاں کسی کے دل میں ہے

ایسی صورت جسکی دیکھی دیکھتی ہی ہٹ گیا
سخت حیراں ہے کہ کیا چیز آب و گل میں ہے

نظروں نظروں میں بڑھا جاتا ہے حصہ ان
دوسرے کو دیکھتا ہے جو تری محفل میں ہے

مار ڈالیگی کسی دن ہم کو امید وصال
منہ سے پوچھو تو خدا کے واسطے کیا دل میں ہے

ہائے وہ پردہ کسی کا ہائے وہ بے پردگی
کہہ نہیں سکتا زباں سے وہ جھلک جو دل میں ہے

پھر کہاں یہ صحبتیں کیا زندگی کا اعتبار؟
یہ غنیمت ہی کہ شاعر آج اس محفل میں ہی

اس لئے پیکاں نکالا اُس نے پہلو چیر کے
دلمیں لیتا ہو مزے شاید زبانِ تیر کے

دوسرے کی آنکھ اور جلوے تری تصویر کے
جی میں آتا ہی کہ رکھہ لیجے کلیجہ چیر کے

ہم جہاں جائینگے اپنی موت بھی ہی ساتھ ساتھ
ہاتھ کیا نچلے رہیں گے خاکِ دامنگیر کے

اب جوانی میں چھپالو منہہ چھپالو شوق سی
سینکڑوں بوسے لئے ہیں چاند سی تصویر کے

یہ کن انکھیوں سی ہمیں بھی دیکھ لینا بزم میں
ہائی کیا جوبن ہیں تیری نیم رُخ تصویر کے

ایسا کچھ لکھا کہ لکھتا ہی رہا میں عمر بھر
چوم لونگا ہاتھ اپنے کاتبِ تقدیر کے

مرگیا ہوں یادِ مژگانِ بتِ سفاک میں
خاکِ تربت سی مری پیکاں اُگینگے تیر کے

ہائی کیا خط بھیجنا بھی ہوگیا ہی ناگوار
اب تو مدت سی پتے ملتے نہیں تحریر کے

اُس کی چٹکی سی چھپا سینے میں اُترا دل میں تھا
کیا ٹھکانا توڑ کا پتلے تو دیکھو تیر کے

اور کیا دلسوزیاں ای شمع تجھ کو چاہئیں
ہاتھ جل جلکر پھپھولا ہوگئے گلگیر کے

میرے آگے کیا کوئی شاعر غزل کا نام لے
میں وہ ہوں چلتا ہوں میں نقشِ قدم پر میر کے

بڑھیں بیچینیاں جانِ حزیں کی
کہیں کس سی کہ پھر دھن ہی وہیں کی

ہوا و سبزہ و گلہائے رنگیں
یہ ساری شوخیاں ہیں اک حزیں کی

کوئی تصویر کیسی؟ کوئی کیسی؟
بلائیں لیجیے حسن آفریں کی

ہزاروں لالہ رو ہیں دفن اس میں
بھری ہی گود پھولوں سی زمیں کی

کوئی یوں خون بھی روتا ہی شاعر؟

ذرا حالت تو دیکھو آستیں کی

خدائی ہے جو تیری نور سے معمور ہوتی ہے
مگر اک ہم ترستے ہیں یہ بے دستور ہوتی ہے

قسم ہے جھومتا رہتا ہوں میں جوش مسرت سے
مرے ساغر میں جبتک بادۂ انگور ہوتی ہے

خدا اس عشق کی زد سے بچائے دوست دشمن کو
یہی وہ چوٹ ہے رس رس کے جو ناسور ہوتی ہے

ہزاروں میں کہیں ہم کو تمہاری آنکھ نے مارا
اسے جب دیکھیے ظالم نشے میں چور ہوتی ہے

متاع دل جو اسکے سامنے رکھدی ہے شاعر نے
بس اب کیا ہے کوئی دم میں یہ چکنا چور ہوتی ہے

نعت

کیسی خوشبو ہے یہ او کاکل پیچاں والے
نکہت گل سے پریشاں ہیں گلستاں والے

وہ قبائے عربی اس پہ عمامے کی پھبن
بچکے جائینگے کہاں آج گریباں والے

سچ تو یہ ہے کہ تری ذات ہے بخشش کا سبب
ورنہ مجبور تھے سب عالم امکاں والے

اے قریشی نسب و ہاشمی و مطلبی
جیتے ہیں تیری ہی امید پہ عصیاں والے

آج بعثت بھی ہے معراج بھی پائی ہے حضور
دونوں عالم میں ہیں محو رخ جاناں والے

جنبش حلقۂ در۔ آب وضو کا بہنا
سب سمجھتے ہیں اس انداز کو عرفاں والے

شام کے بعد وہ جبریل امیں کا آنا
اور وہ چرخ پہ جلوے عربستاں والے

غل حوروں کے۔ فرشتوں کے پرے صل علی
صف بصف جھومتے ہیں روضۂ رضواں والے

چار جانب سے وہ مجمع ہے وہ درود و صلوٰۃ
دھوم ہے آتے ہیں وہ قرأت قرآں والے

حوض کوثر کی چھلک۔ نہر لبن کی لہریں
ہائے کیا جوش پہ ہے رحمت یزداں والے

کہکشاں کی وہ چھپا در تو ستاروں کی وہ چھوٹ
نور اول کے تصدق ہوئے ارماں والے

پر جبرئیل کا سا نہ کہیں رفرف کا صعود
گرد رہ ہو کے رہے تخت سلیماں والے

تھکتے یاں ناز و حجابوں کا وہ عرش و کرسی
منتظر تھے جہاں خود جلوۂ جاناں والے

پھر یہ مژدہ کہ چلے آیئے نعلین سمیت
تم سے وہ ناز نہیں موسیٰ عمراں والے

اپنے شاعر کی بھی سن لیجئے مولا اب تو
درد کو جانتے ہیں درد کے درماں والے

دیکھنا رنگینیاں اس چرخِ کج رفتار کی
خونِ بلبل سے بجھائی پیاس نوکِ خار کی

مصرعہ موزوں جھلک ہے ساعدِ دلدار کی
دیکھنا لچکتی ہوئی ڈالی مری گلزار کی

پھول دکانٹا ہی اب چاہت نہیں گلزار کی
ہم نے وہ لذت اٹھائی ہے زبانِ خار کی

قصرِ جاناں یاد آیا دیکھ کر رنگِ کفن
میری آنکھوں میں سفیدی پھر گئی دیوار کی

دیکھنے دیتا نہیں کچھ بھی تری دل کا غبار
قدِ آدم یہ نئی تعمیر ہے دیوار کی

ہر تصور میں رواں ہیں اشکِ خونی اس لئے
زینتیں ہیں یہ بھی دامانِ خیالِ یار کی

بات کرتے ہی بگڑتا ہے خدا کی شان ہے
کیا رقیق چکنی ہوئی ہے اب مزاجِ یار کی

شوقِ مشقِ ستم کیجئے مجھے پروا نہیں
میں نے چادر اوڑھ لی ہے زخمِ دامن دار کی

حضرتِ بیکش کی خاطر سے لکھے یہ چند شعر
ورنہ شاعر کیا غزل ہوگی کسی بیمار کی

کبھی ساون کی جھڑی ہو کبھی بھادوں برسے
ایسا برسے مرے اللہ کہ چھاجوں برسے

ماشاء اللہ یہ لڑیاں تری اے ابرِ بہار
جی میں آتا ہے اسی طرح مہینوں برسے

تیرِ باراں ہے یہ بیوقت کا مینہہ ۔ توبہ ہے
یوں نہ برسے کبھی جب تک مرے گھر والے برسے

بس خدا کے لئے بس اب نہ کہونگا کچھ بھی
گھنٹوں بوچھار ہوئی آپ تو پہروں برسے

جب جوانی کی امنگیں ہی نہیں ہیں شاعر
ڈھونڈنے نکلے کہیں کیوں۔ ابر کہیں کیوں برسے

بجھ گیا دل تو نہ بجھے۔ شعلۂ رخسار تو ہے
مرتے مرتے بھی مجھے حسرت دیدار تو ہے

وصل کے ذکر پہ آپے سے ہوئے ہو باہر
اور انکار کسے کہتے ہیں انکار تو ہے

کون ہمدم ہو مرا ہجر میں جز شعلۂ آہ!
کچھ نہ ہو خیر چراغ سر بیمار تو ہے

سر اڑا دو کہ ہیں مشتاق شہادت ہیں ہم
سوچتے کیا ہو بس اب ہاتھ میں تلوار تو ہے

نرگسی چشم کا احسان ہے بہت کچھ دلبر
یہ تماشائی انداز خریدار تو ہے

آپ کیوں چھوڑتے ہیں لگا ہی اڑا دیں اسکے
دل نے کیوں چاہا کمبخت گنہگار تو ہے

مہرباں وہ ہی تو کیا غم ہے کسی کا شاعر
ہو نہ ہو کوئی مرا یار۔ مرا یار تو ہے

جو وعدے کی شب تم نے ٹالی نہ ہوتی
مری رات اس طرح کالی نہ ہوتی

جہاں پھول رلتے تھے خاک اڑ رہی ہے
فلک یہ کدورت نکالی نہ ہوتی

بلا سے کوئی اور ہوتا نہ ہوتا
تری بزم یاروں سے خالی نہ ہوتی

لگی لپٹی رکھتا نہیں ہر کسی کی
مری بات دشمن کو گالی نہ ہوتی

یکایک تم نے نہ بچکا لی کیوں۔ مار ڈالا
یہ برچھی تو دل سے نکالی نہ ہوتی

ہر اک شخص کو اتنی پیاری جوانی
نہ ہوتی جو یہ جانے والی نہ ہوتی

بھلا کون شاعر کا پھر نام لیتا
جو کمبخت میں بیگمانی نہ ہوتی

یہ چلتے چلتے کیا تجلی گرائی دیکھنے والے
کہ آپے میں نہیں شان خدائی دیکھنے والے

انہیں بھی دیکھ جا آگر خدائی دیکھنے والے!
گھڑی ساعت کے ہیں شام جدائی دیکھنے والے!

ہماری بزم میں اغیار کیوں آتے ہیں مل جلکر
یہ ہوتے کون ہیں محفل پرائی دیکھنے والے

تجھے بھی دیکھنا تھا ہائے دل۔ وہ ہی خم گردن
جبھی تو آج تیری موت آئی دیکھنے والے

اگر بجلی کہیں تو یہ ملاحت ہو نہیں سکتی
بلائیں لیکے مرجائیں کلائی دیکھنے والے

وہ انکا مسکرا کر دیکھنا شرمائی نظروں سے
نہ بھولینگے کبھی۔ یہ دلربائی دیکھنے والے

خدا کے واسطے یہ ہاتھ کیوں پردے سے نکلا ہے
قسم ہے مر مٹے نازک کلائی دیکھنے والے

وہی کچھ آہ سے واقف ہیں جن کے درد دل میں ہیں
نہیں تو سینکڑوں ہیں ہوائی دیکھنے والے

ہزاروں ظلم ہوتے ہیں کروڑوں زخم سہتا ہوں
کہاں ہیں طاقت صبر آزمائی دیکھنے والے

کہاں کی منصفی ہے وہ نہ چاہیں اور ہم چاہیں
خدا لگتی کہیں کچھ تو خدائی دیکھنے والے

خدا کا شکر ہے شاعر بڑی اچھی گذرتی ہے
بھلے معلوم ہوتے ہیں برائی دیکھنے والے

مجھے بیخود بنایا۔ اسنے بوٹی بوٹی کیلی ہے
نگاہ یار دل لیکر ہٹی ایسی ہٹیلی ہے

ہمیں تو ایسی کچھ عادت نہیں ہے بادہ نوشی کی
بہار آئی ہے زاہد اس لئے تھوڑی سی پی لی ہے

قفس ہلنا نہیں صیاد۔ پر تو کھولدے میرے
مری بس کا کہاں فولاد کی ایک ایک تیلی ہے

ابھی یہ قتل سے انکار او ظالم! خدا سمجھے!
ابھی تو کشتۂ غم کی ترے تربت بھی گیلی ہے

نہ شرماؤ نہ مژگاں مرینگے دیکھنے والے
مرے دل سے تو پوچھو کیا نکیلی ہے سجیلی ہے

بھی تم تھے۔ بر سر رہتے تھی ہر وقت دشمن پر
تمہاری بدزبانی کس نے کیلی۔ ہم نے کیلی ہے

چمن میں مسکرا کر چھیڑتے ہیں یوں وہ سوسن کو
ترا کیلے لیا کچھ بات بھی کیوں نیلی پیلی ہے؟

پلادے پیارے ساقی کوئی ساغر بے نواؤں کو
زمانہ گھات میں ہے تاک میں یہ چرخ نیلی ہے

بوں پر آگئی ہے جان تڑپتی ہے ہر اک حلقہ
کمندِ زلف کیا اب بھی مری گردن میں ڈھیلی ہے؟

پھڑکتی سی سُنا دے اور بھی اک چیز شاعر کو
تری آواز او مطرب قیامت کی رسیلی ہے

میرا اصرار۔ کہ اک شخص تمنائی ہے
اُن کا اٹھلا کے یہ کہنا ہمیں نیند آئی ہے

خمِ ابرو کا اشارہ ہے کہ سجدہ کیجیے
آنکھ کہتی ہے نہ ملنا۔ بُتِ ہرجائی ہے

نگہِ ناز ہزاروں ہی کرے وار تو کیا؟
آج میں نے بھی تڑپنے کی قسم کھائی ہے

دیکھ لے پھر اُسی انداز سے او آہو چشم
میری آنکھوں میں تری آنکھ سی بینائی ہے

زندگی کا ہو بُرا اس نے مٹا کر چھوڑا
میں نہ آتا تھا۔ یہی مفتِ خدا لائی ہے

ایک سی ایک زیادہ ہے حسیں دُنیا میں
ہائے یہ کیسی خودی کیسی خود آرائی ہے

ترا ہی ذکر کیا کرتا ہے کوئی ہم سے
دل میں تصویر ہے تصویر میں گویائی ہے

چشمِ گریاں میں جو آئی ہو سنبھل کر آنا
دیکھنا پانوں نہ پھسلے کہ یہاں کائی ہے

ہوش میں آئیے جلے دل کی ہے آہوں کا اثر
بے سبب تو نہیں رنگت تری سنولائی ہے

ہم اُنہیں پیار کریں وُہ ہمیں دشمن سمجھیں
واہ کیا دل کے لگانے کی سزا پائی ہے

سُونگھ لیتا ہُوں ہر اک پھول کی خوشبو شاعر
طبیعت کہیں اُلجھی ہے نہ اُلجھائی ہے

جان دینا بھی جب امکانِ انسانی سے ہے
پھر اُنہیں کیوں دُشمنی میری گراں جانی سے ہے

کیوں نہیں دیتا ہے ساقی آبِ آتش رنگ تو
میں نہیں جینے کا میری زندگی پانی سے ہے

دیکھ لے۔ ایک ایک خم تیر میں ہے پیکانِ تیر
دامنِ دل میں چمن تیری گل افشانی سے ہے

پردہ پوشِ بیکساں لیگا ہماری بھی خبر
نعش اپنی محفوظ اپنی ننگِ عریانی سے ہے

کچھ نہیں گفتا ہی شاعر بندۂ ناچیز ہے
پھر بھی جو کچھ ہے وہ سب الطافِ ربانی ہے

چار دن کا ہے تماشا دیکھ لے
دیکھتی آنکھوں سے دُنیا دیکھ لے

خارِ حسرت چبھ نہ جائے دل نہ لو
پھول توڑے بھی تو کانٹا دیکھ لے

اب گھڑی ساعت کا ہے بیمارِ غم
دیکھنا ہو تو کہیں آ - دیکھ لے!

پھر چلا کہہ کر ابھی آتا ہوں میں
پھر چلا ہم سے ہی فقرا دیکھ لے؟

ملتے جلتے سے ہیں کچھ عیب و ہنر
پھول ہی کے ساتھ کانٹا دیکھ لے

ہے اسی وحدت میں کثرت کی نمود
بن گیا قطرے سے دریا دیکھ لے

ایک ہی درجے میں ہیں شاہ و گدا
خاک میں دونوں کو یکجا دیکھ لے

تجھ سے اتنا بھی نہیں ہوتا کبھی
دو گھڑی میرا تڑپنا دیکھ لے

اس لیے پیدا کیا شاعر تجھے
آدمی اچھے سے اچھا دیکھ لے

بزمِ دشمن سے اب آئے ہو مزے لوٹے ہوئے
ہوش میں آؤ کہیں جڑتے ہیں دل ٹوٹے ہوئے

جب مری ہونٹوں سے لعلِ شکریں چھوٹے ہوئے
لفظ جو دشنام کے نکلے وہ سب بوٹے ہوئے

تم یہاں آکر تو دیکھو ہجر میں کیا حال ہے
دل کے ہاتھوں آج سو سو حشر میں لوٹے ہوئے

چاہنے والے تیری فرقت میں جیتے ہی نہیں
زندگی سے ہیں وفاداروں کے جی چھوٹے ہوئے

کیوں نہ ہو بے لطف اسکو تلخ کامی کیوں نہ ہو
جو زباں تیرے دہن کے ہو مزے لوٹے ہوئے

سچ ہے گر ناکسی کی آگ میں اچھا نہیں
دل کو روتے ہیں جگر کے آبلے پھوٹے ہوئے

وائے ناکامی کہ گلشن میں خزاں آنے لگی
دو ہی دن گزرے تھے ہمکو قید سے چھوٹے ہوئے

دلفریبی لالہ رویوں کی نہیں مٹتی کبھی
شمع کا آنسو نہیں تھمتا ہی انکی یاد میں
اپنی سوزش کا کیا ہی شمع نے اچھا علاج

یہ ستمگر خاک ہو کر بھی تو گل بوٹے ہوئے
اڑتے پھرتے ہیں جو پروانوں کے ٹوٹے ہوئے
رکھ لئے ہیں دل میں پروانوں کے پر ٹوٹے ہوئے

سونگھ لے شاعر اگر ہی کچھ دماغ بوئے گل
میرے گلشن کے یہ تازے پھول ہیں ٹوٹے ہوئے

ادھر تو وہ نگاہ مضطرب شرمائی جاتی ہے
یہ کیوں گردن میں باہیں ڈالتی ہو گالیاں دیکر
اڑا جاتا ہی دل تھمتا نہیں ہی آنکھ سی آنسو
خزاں ہو کر بھی رہتی ہی بہار حسن اک مدت
تم اپنی زلف کی تو لو خبر ہم سی الجھتی ہی
جوانی میں یہیں لا رہی ہیں اپنے جینے کے

ادھر یہ دل مچلتا ہی طبیعت آئی جاتی ہے
عنایت کیا یہ میرے حال پر فرمائی جاتی ہے
کئی دن سی طبیعت خود بخود گھبرائی جاتی ہے
کہیں رعنائی جاتی ہی کہیں زیبائی جاتی ہے
غضب کے بل پھرے ہیں کس قدر اترائی جاتی ہے
یہ رت ہوا اور یہہ دل کی کلی مرجھائی جاتی ہے

کوئی سودا ہی شاعر دل اسی دینا اُسی دینا
رقم یہ خوب ہی ہر درد کے جو پرکھائی جاتی ہے

رونے سی جو بھرا اس تھی دل کی نکل گئی
سنتا ہوں آج آپ کی دشمن سی چل گئی
میں نے ترس ترس کے گذاری ہی ساری عمر
بیچین ہوں میں جب سے نہیں دل لگی کہیں
کہتا ہی چارہ گر کہ نہ پائیگا اندمال
پہلو میں دخت رز نہیں ساقی یہ کیا ہوا

آنسو بہائے چار طبیعت سنبھل گئی
اک پھانس تھی کلیجے کے اندر نکل گئی
میری نہ ہوگی جان جو حسرت نکل گئی
وہ درد کیا گیا کہ مرے دل کی کل گئی
اچھا ہوا کہ زخم کی صورت بدل گئی
آخر یہ کس سے آنکھ لگا کر نکل گئی

اے شمع ہم سے سوزِ محبت کے ضبط سیکھ
کمبخت ایک رات میں ساری پگھل گئی

شاخِ نہالِ عمر ہماری نہ پھل سکی
یہ تو ہے وہ کلی جو نکلتے ہی جل گئی

دیکھا جو اُس نے پیار سے اغیار کیطرف
شاعر قسم خدا کی مری جان جل گئی

اُن تک پہنچ نہیں ہے ہماری نصیب سے
پھر کیوں نہ روز رنگ رچائیں رقیب سے

مُنہہ دیکھتا ہی دیکھنے والوں کا بار بار
کیا کہہ گئی ہی نبض ہماری طبیب سے

بکھرا نہ توڑ توڑ کے بادِ خزاں یہ پھول
سینچا ہے اِنکو خونِ دلِ عندلیب سے

شہرگ کے پاس سُنتی ہیں دیکھا نہیں کبھی
اللہ! اتنے دُور ہو اتنے قریب سے

اُٹھ کر وہ دستِ شوق کا رہ جانا بار بار
وہ اُسکا مُسکرا کے نکلنا قریب سے

کچھ اور دل میں دھیان نہ لاؤ خدا گواہ
میں یُوں ہی ایک بات کہونگا قریب سے

شاعر ابھی سے زور پہ ہیں ناتوانیاں
پیارے ابھی تو کام ہی لینا جریب سے

جہاں پیار کی ہی نظر ہو گئی
چھُری بھی قرارِ جگر ہو گئی

وہ اُڑنا مرے زرد چہرے کا رنگ
وہ کہنا کسی کا سحر ہو گئی؟

اکیلا دلِ زار کیا کر سکے
خُدا کی خدائی اُدھر ہو گئی

محبت بھی کیا چیز ہے دیکھنا
اِدھر بات کی چشم تر ہو گئی

اُلٹ دی سرِ شام اُسنے نقاب
سحر ہو گئی وہ سحر ہو گئی

چڑھا ہے وِلائے علیؑ کا نشا
نہیں مستیوں میں بسر ہو گئی

اِدھر دل کے جانے کا ماتم ہوا
مُبارک سلامت اُدھر ہو گئی

غزل خاک شاعر کوئی لکھ سکے
گھڑی بھر کو فرصت اگر ہو گئی

کھنچے کیونکر نہ دنبالہ بھلا مخمور تیور سے؟ — بڑھا لیتے ہیں وہ جتنی چھلک جاتی ہے ساغر سے

کٹے جاتے ہیں دل اُس ابروئے پیوستہ جوہر سے — کسی بانکے نے کیا خنجر کو ٹکرایا ہے خنجر سے

ہمارا بس چلے تو ہم کلیجے میں تمہیں رکھ لیں — مگر مجبور ہیں چلتی نہیں اپنی مقدر سے

جہاں پی لی ذرا سی پھر وہ آپے میں نہیں رہتے — گریباں کھل گیا سارا دوپٹہ ڈھلک گیا سر سے

یہ تھم تھم کر تمہارا مسکرا دینا قیامت ہے — کوئی اس رمز کو پوچھے ہمارے قلب مضطر سے

تمہاری بد دماغی نے تمہیں سودا کیا آخر — کوئی انداز ہے یہ بھی یہاں سے وہاں پر سے

بھلا آپے میں رہ سکتا ہے کوئی کانورا ہو کر — تمہاری شوخیاں دل مانگتی ہیں لا کے تیور سے

رواں ہوتی ہے ایسی چیز ہم سے سخت جانوں پر — یہ کیا کرتے ہو دیکھو آب اُڑ جائے گی خنجر سے

کہاں اُٹھ کر چلے دشمن کے آتے ہی قیامت ہے — ہوا کیا بیٹھے بیٹھے یہ کہا کیا بندہ پرور سے

سند اسکی نہیں۔ پہلو سے اُٹھ کر مسکراتے ہو — مزا جب ہے ہماری گود میں پھولوں کا مینھ برسے

کرشموں نے اگر رد کے دل پر تیر مارے ہیں — تو غمزے نے بھی اک بھرپور چرکائی ابر سے

عرق آلود ہے رخسار سینے پر ذرا رکھ دو — کبھی ہم بھی کلیجہ سینک لیں اس آتش تر سے

خدا وہ دن دکھائے تم ہمارے ہم تمہارے ہوں
یہ شغل ہو آج شاعر کو بلا کر لیکے گھر سے

وہ تند شراب عشق کی ہے — ہر وقت نشا ہے جس نے پی ہے

رگ رگ بخدا بندھی ہوئی ہے — یہ بھی کوئی لطف زندگی ہے

اب دل میں کہاں وہ تازگی ہے — مرجھائی ہوئی سی پنکھڑی ہے

پوچھو نہ ہمارے دل کی حالت
شانے سے ذرا سنوار دیجے زلف
پیدا نہ ہو شکر سے شکایت
دل لے کے اڑو نہ اس قدر تم
بلبل مرے دل کے زخم تو دیکھ
دل لو کہ یہی ہے مان کا پان
ہوش اڑتے ہیں دیکھ دیکھ کر کیوں؟

اک آگ ہے جو بھڑک رہی ہے
اب تو یہ بہت ہی سر چڑھی ہے
بندہ بھی تو آخر آدمی ہے
یہ چیز چراتے دیکھ لی ہے
چٹکی ہوئی کیا کلی کلی ہے
مفلس کی یہی تونگری ہے
انسان نہیں ہے تو پری ہے

شاعر سے خفا نہ ہونا دیکھو!
بیچارہ غریب آدمی ہے

آتی تھیں بے سبب کبھی ہچکیاں مجھے
الفت ہے تجھ سے آتش سوز نہاں مجھے
کیونکر گیا۔ ملا نہ ملا۔ اس نے کیا کہا
پیاروں سی دور۔ یار سے اوجھل۔ دیار غیر
تکلیف کیا ضرور یہیں جل بجھوں گا میں
ناصح کو ہر گھڑی یہ رواں ہے کہ صبر کر
کہتی ہے آہ! جاتے ہی جاؤنگی تا فلک
ہستی کے بند بند سے پیدا ہے نیستی
محفل میں دیکھنا کوئی دل تو نہیں جلا
تم نے جگر سے تیر نکالا کہ مر گیا

اسوقت تم نے یاد کیا ہے کہاں مجھے؟
بجلی کسی کے قد کے برابر کہاں مجھے؟
اے نامہ بر سرے سی سنا داستاں مجھے
مارا ہے لا کے اوسری غربت کہاں مجھے
اے آہ آتشیں نہ دکھا گرمیاں مجھے
او نامراد صبر کی طاقت کہاں مجھے
ایسا زمین پہ ہے کوئی آسمان مجھے
یوں توڑتا ہے پارہ ہر استخواں مجھے
اٹھتا ہوا دکھائی دیا ہے دھواں مجھے
پھر اب سے دور درد کی لذت کہاں مجھے

چادر چڑھائی چاکِ گریباں نے پھول سی
اُٹھینگی کس سے سیلِ حوادث کی سختیاں؟

لاکھوں بناؤ دیگئیں یہ دھجیاں مجھے
بھاری بہت ہی چادرِ آبِ رواں مجھے

شاعر ذرا سنبھل کے چہکنا مرے حضور؟
مانے ہوئے ہی بلبلِ ہندوستاں مجھے

واہ رے چشمِ خمارِیں یار کی
پہلے ہم سے ہی نگاہیں چار کیں
کیا خبر کب تک اُسے دیکھا کیا
اِک زمانہ ہوگیا تم پر فدا

جس میں سُرمہ باڑھ ہے تلوار کی
پھر ہمیں سے پردۂ دیوار کی
پھر بھی حسرت رہ گئی دیدار کی
کچھ خبر ہے گرمیٔ بازار کی؟

کیا کسی دشمن کا شاعرؔ حوصلہ
جب مدد ہو حیدرِ کرار کی

جو مرا حال ہی دُنیا میں کوئی جانتا ہی؟
مجھ کو مُہلت نہیں پروانے سی جا کر پوچھو
مَیں اِن آنکھوں کو دکھاؤں ابھی دُنیا کیسی
ہم نے مسجد میں بھی منبر پہ ہوس کو دیکھا

ہمنشیں جس پہ گذرتی ہی وُہی جانتا ہی
کہ مرے بعد وہی دل کی لگی جانتا ہی
دِل کو میں کیا کروں یہ اسکو بری جانتا ہی
شیخ بیچارہ بھی دُنیا طلبی جانتا ہی

عُذر کیا ہی ترے شاعرؔ کو تو سمجھے کہ نہ سمجھ
وُہ تو ہر بات میں اب تیری خوشی جانتا ہی

وہ رنگِ شباب اب نہیں ہے
کھُل کھیلے ہو دو ہی گھونٹ پیکر
یہ درد ہے۔ کہہ کے تیر مارا

تیرا بھی جواب اب نہیں ہے
کیوں جی وُہ حجاب اب نہیں ہے
رہنے دو جناب اب نہیں ہے

بے کیف ہوئی جو عمر ڈھل کر
ساغر میں شراب اب نہیں ہے

دیوانہ کہاں گیا وہ شاعر
ہمراہِ رکاب اب نہیں ہے؟

ہنس کے کہتے ہیں خوب رو دیجیے
یہ جوانی سدا نہیں رہتی
طلب بوسہ پر بگڑ کے کہا
ہمنشیں یہی شب کو آئینگے؟

موتیوں کی لڑی پرو دیجیے
بہتا دریا ہے ہاتھ دھو لیجیے
ایک کا ذکر کیا ہے دو لیجیے
پہلے ان سے زبان تو لیجیے

یا ادھر یا ادھر غرض شاعر
ایک رستہ یہ آپ ہو لیجیے

یہ درد اب تو سہارا ہی عمر بھر کے لئے
جو غور کیجیے تو بے عیب ذاتِ باری ہے
لحد کا غم ہے اب تو کفن ہی کافی ہے
عبث ہے دوزخ و جنت کی فکر اے واعظ

لگا رکھا ہے اسے لذتِ جگر کے لئے
جبھی تو عیب بھی لازم ہے کچھ ہنر کے لئے
بناؤ چاہیے کیا ہم کو اپنے گھر کے لئے
یہیں سزا و جزا ہے ہر اک بشر کے لئے

یہ کیونکہ پہنچیگا شاعر تری حضوری میں
یہاں تو کوئی بھی ساماں نہیں سفر کے لئے

کیا پوچھتے ہو حسنِ طبیعت اسی میں ہے
ظالم! نہ توڑ دیکھ مرے دل کا آئینہ
بوسے جو ان گنت لئے شرما کے یہ کہا
وہ دیکھنا نہ دیکھیو کہ دیکھا نہ جا سکے

دل کو تو درد چاہیے لذت اسی میں ہے
کافر! کسی کی چاند سی صورت اسی میں ہے
اچھی نصیحتیں ہیں محبت اسی میں ہے
میرے لئے تو ساری قیامت اسی میں ہے

جو پیرو مجاز ہیں وہ راہ رو نہیں
دیکھا جو غور سے تو حقیقت اسی میں ہے

یہ کہہ کے رو دیے وہ ہماری مزار پر
کیا میرے مرنے والے کی میت اسی میں ہے

دنیا میں آدمی جو جیے بھی تو یوں جیے
سب سے الگ تھلگ ہو فراغت اسی میں ہے

کس طرح ہونٹ غنچہ لب سے ہٹاؤں میں
میں جانتا ہوں حسن کی دولت اسی میں ہے

اس سے چھٹے شراب یہ شاعر ہے نام کا
پینے ہی کا تو مرد ہی دعاوت اسی میں ہے

شب وعدہ بڑی آشفتہ حالی ہوتی جاتی ہے
دہاں کیا ہے یہاں تو رات کالی ہوتی جاتی ہے

خدا کی شان کیا تقدیر آئی ہے بگڑنے پر
ہماری بات بھی اب تم کو گالی ہوتی جاتی ہے

قدم کو پھونک کر رکھے کوئی کتنا ہی دنیا میں
نہیں رکتی کسی سے ہونیوالی ہوتی جاتی ہے

کہاں کا کیف اب تو دل کا خوں آنکھوں سے نکلا
صراحی جو بھری رہتی ہے خالی ہوتی جاتی ہے

تلون سے مدد لیکر کیا بچپن شوخی نے
یہ حشری اب بڑی انداز والی ہوتی جاتی ہے

سنبھل رہ رہ کے ماتھے سے پسینہ پونچھنے والے
جواہر ریز انگشت ہلالی ہوتی جاتی ہے

شرر اٹھنے لگے سوز دروں کی آگ سے شاعر
ہماری آہ بھی پھولوں کی ڈالی ہوتی جاتی ہے

شعلہ زن مجھ میں کسی کی نگہ اول ہے
میرے پہلو میں بھڑکتی ہوئی اک مشعل ہے

آگے پیچھے میں پھرا کرتا تھا جسکے کل تک
ہائے وہ کج نگاہوں سے مری اوجھل ہے

وصف ابرو جو کیا منہہ گئے الفاظ مرے
آب شمشیر تری میرے لئے صیقل ہے

اڑ گئی جب مری صحرا کے نکل جانے کی
مسکراکر کہا کمبخت بڑا پاگل ہے

تم نہیں ہو تو نہ مجھے خار ہے ایک ایک کلی
ہائے یہ پھولوں بھرا باغ ہے یا جنگل ہے

پھیلتا جاتا ہی کیوں حرص و ہوا کا دامن
یہ بھی کیا یار کی آنکھوں کا کوئی کاجل ہی

عہد باندھا ہی محبت کا بڑی مدت میں
دیکھنا توڑ نہ لینا یہ ہری کونپل ہی

لڑکھڑاتا ہوا میں بزم میں آیا تو کہا
دیکھنا آج سواری یہ ہی یا پیدل ہی

داغ کے بعد نہیں لطف غزل کا شاعر
یوں تو کامل ہی کوئی اور کوئی اکمل ہی

برقعہ ذرا الٹ دے او آن بان والے
کھنچتے نہیں ہیں اتنا بانکی کمان والے

تھوڑی سی زندگی ہی کیا کر سکیگا کوئی
دیوانے ہو گئے ہیں وہم و گمان والے

بانکی بھویں تمہاری رسوا کرینگی اک دن
تیروں سے چھد گئے ہیں اکثر کمان والے

خیر البشر ہماری جب عرش پر گئی ہیں
حیرت میں رہ گئے تھے سب آسمان والے

شاعر تری زباں کہ سکے ہیں اب لوں پر
قائل ہیں مانتے ہیں تجھ کو زبان والے

رخسار کے پرتو سے تجلی کی نئی دھج ہی
کیوں آنکھ جھپکتی ہی کیا سامنے سورج ہی

دنیا کی زمینوں سے اے چرخ تو کیا واقف
ایک ایک یہاں پنہاں کاوس ہی ایرج ہی

دروازے پہ اس بت کے سو بار ہمیں جانا
اپنا تو یہی کعبہ اپنا تو یہی حج ہی

اے ابروئے جاناں تو اتنا تو بتا ہم کو
کس رخ سے کریں سجدہ قبلے میں ذرا کج ہی

انصاف کرو لوگو! انصاف کرو یارو!
شاعر کی زمانے میں دنیا سے نئی دھج ہی

میں نے تو وعدے کی شب کیا کیا نہ کچھ تدبیر کی
تم نہ آؤ گے مجھے یہ کیا خبر تقدیر کی؟

آنسوؤں نے دل میں شعلے کی طرح تاثیر کی
دیکھنا رنگینیاں اس آب آتش گیر کی

تم ہی کو دیکھتے آتے نشانہ خوب تھا
پنچلی تو رہتی ہی اسکو دیکھ تو لیتے ہیں لوگ

غیر کو دیکھا وہیں سی نشست بگڑی تیر کی
آپ سے بہتر ہے خُو بُو آپ کی تصویر کی

شاعر اُن کا سسکیاں بھرنا مجھی یاد آگیا
سنسناہٹ سی سُنائی دی رہی ہے تیر کی

در تہنیت ولادت باسعادت مولائے مومنان محبوب الدین غالب علیٰ کلّ غالب اسد اللہ الغالب علی ابن ابی طالب صلوٰۃ اللہ علیہ

مطلعِ اول

میں اپنے بستر غم پر تھا شب کو زار و نزار
تُلا ہوا تھا مری ضد پہ گنبد دوّار

سوادِ بخت سیہ تھا محیط عالم میں
برنگِ پردۂ ظلمات ہر طرف بیکار

نہ سوجھتا تھا مجھے کچھ مگر یہ رنگت تھی
بلائے شامت اعمال میرے سر سوار

وہ سوز غم کہ دھوئیں اُٹھ رہے تھے سینے سے
وہ تیرگی کہ سپیدی بھی جس سے ہو زنگار

شرار آہِ شرر زا بجھے ہوئے سے تھے
چمک میں برق کی بھی دم نہیں تھا کچھ زنہار

سحر نہ ہوتی تھی میں کروٹیں بدلتا تھا
کسی طرح کسی پہلو نہیں تھا مجھ کو قرار

کہ دفعتاً ہوا اک نور ساطع و لامع
وہ نور جس سے خجل ہوں کواکب و سیّار

رسید مژدہ ز ہاتف بخیز اے شاعر
ببیں ببیں کہ چہ گشت مطلع انوار

زہے سعادت کونین کیوں نہ شامل ہو
ہیں اُس کی جشن ولادت میں پڑھ کے یہ اشعار

مطلعِ دوم

بیا بیا کہ مسیحاست از تو برخوردار
فدائے آمدنت باد صد دل بیمار

جہاں میں نورِ احد نصف تھا محمد میں
حضور آئے تو پورا ہوا یہ دارۂ مدار

وہ کون ہے جسے مولودِ کعبہ کہتے ہیں
وہ کون ہے کہ جو ایمان کی بنا تلوار

وہ کون ہے کہ ہوا جس سے دین مستحکم
وہ کون ہے جو ہے پشت و پناہِ زار و نزار

وہ کون ہے جو مصلیٔ قبلتین ہوا
وہ کون ہے کہ جو ہے جان افضل الذکار

وہ کون ہے کہ جو زوجِ بتول کہلایا ۔ وہ کون ہے اب و جدِ حسن کے ہیں سردار

وہ کون ہے پدرِ عالی حسینؑ و حسنؑ ۔ وہ کون ہے کہ جو ہے مبتدائے ہشت و چہار

وہ کون ہے کہ جو نفسِ رسول کہلایا ۔ وہ کون ہے کہ جسے عرش سے ملی تلوار

وہ کون ہے کہ ہلا دی ہے کفر کی بنیاد ۔ وہ کون ہے کہ نہیں جسکی ضربتوں کا شمار

یہ کس کے نام سے قائم ہے بے ستون جہاں ۔ یہ کس کیواسطے پانی پہ ہے زمیں کو قرار

مقربانِ خدا کس پہ فخر کرتے ہیں ۔ یہ کون ہے کہ وہ ہے کائنات کا مختار

یہ ذات ذاتِ علیؑ ولی ہے عالم میں ۔ یہ شان نامِ خدا شانِ حیدرِ کرار

علیؑ ہیں مالکِ دنیا و دیں بحقِ علیؑ ۔ علیؑ قسیمِ جناں ہیں علیؑ ہیں قاسمِ نار

علیؑ ہی بعدِ خدا و نبی ہیں جو کچھ ہیں ۔ علیؑ ہی فضل و اعلیٰ ہیں یا اولو الابصار

علیؑ ہی کے تو ہیں محکوم جن و انس و طیور ۔ علیؑ ہی کے منتبع ہیں آب و خاک و حجار

علیؑ ہی مرہمِ دلِ ریش ہیں زمانے میں ۔ علیؑ ہی چارۂ بیچارگاں ہیں لیل و نہار

علیؑ کا رنگِ ولا صاف ہے گلِ تر میں ۔ علیؑ علیؑ کا ترانہ ہیں نغمہ ہائے ہزار

علیؑ کے در سے ملا ہے جو کچھ کسی کو ملا ۔ علیؑ کے بخشش و الطاف کا نہیں ہے شمار

علیؑ کا جوشِ جلالت ہے مہر کا جلوہ ۔ علیؑ کا لطف کرامت ہے ماہ کا رخسار

علیؑ کے ہیں جبروت و وقار کوہ میں بھی ۔ علیؑ کا دامنِ رحمت ہے ابرِ دریا بار

غرض جہاں میں جو کچھ ہے وہ سب علیؑ کا ہے ۔ علیؑ ہی اول و آخر ہے ای ستودہ شعار

قلم کو روک لے شاعر کہ وصفِ حضرت میں ۔ مجالِ دم زدن آگہ نہیں ہے اب نہار

ثنائے نورِ خدا ہے بشر سے ناممکن ۔ بہوش باش چہ میگوئی باش دست بدار

بمدحِ حضورِ عالیہ نواب شمس جہان بیگم تاج الہند رئیسہ مرشدآباد بنگال

صفائے قلب سے لینا ہے کار رنگ بہزاد
بحق آیہ تطہیر یا علیؑ امداد

حضور پاک کریں خاک سے اٹھا کے مجھے
کہ ذرہ مہر کے دم سے ہے اسکی کیا بنیاد

رہا نہ رجس کی آلودگی معاذ اللہ
گنہگار میں پاکیزگی کہاں فریاد

مگر نگاہ کرم سے ذہاب بیت نہیں
کہ آسماں کی خبر لائے اور آدم زاد

چھپے نہ حسن معانی ہزار پردوں میں
تجلیاں ہوں مرے لفظ لفظ سے ارشاد

کلام جنکو ہو مجھ سے وہ ہیں کلیم کہیں
یہ نخل ہو طوطی شکر شکن مبارکباد

متاع نظم ہو انمول موتیوں کی لڑی
جو آنکھ ہو تو پھر آنکھوں سے ہوں ہزار صیاد

نظر نظر میں کھٹکے بانکپن صبا ہی کا
مہر و رکی لگیں لینے بڑے بڑے استاد

سنا کریں گل و بلبل ہزار افسانے
ہلا سکیں شہ مرے سامنے لب فریاد

نفس نفس یہ ہو وہو کا نسیم تازہ کا
مہک سے ہے ہوں پریزاد اور آدم زاد

صریر کلک سے ہر وقت پھول جھڑتے ہوں
لڑاؤں سرو سے ایک ایک مصرعہ آزاد

بہار ہو مرے گلشن میں ان بہاروں کی
کہ غش پڑے ہوئے گلچیں کہیں کہیں صیاد

برس رہی ہوں گھٹائیں بھی کعبے کے رخ کی
پکارتی ہو یہ رحمت کہ ہر چہ بادا باد

بھرا ہو آب گہر سے پھول سے کٹوروں میں
ڈھلک ڈھلک کے وہ قطروں کی نت نئی رفتار

یہ بل ہوں بیلوں کے انگڑائیاں وہ سبزے کی
کہ موج پانی ہو اور آب مدد ہی زیاد

بھری ہوں تھالے درختوں سے پھول وہ برسیں
روش روش سے بد گلفروش کا ایجاد

جراحتوں پہ نمک سے شور آبشاروں کا
وہ میٹھی چھریاں کہ بجائے آب جو متضاد

چھپائے گود میں سبزہ جو سنگریزے ہوں
دکھائے اوج پہ ذروں کو لطف باد مراد

لدی پھندی ہوئی شاخوں سے زمزمے پیدا
پرندوں کے جنہیں اور کچھ نہیں ایجاد

بسی ہوئی وہ ہوائیں چلیں کہ لوگ کہیں
کھلا ہے تختۂ عطار آج بر سر باد

غرض زمین سے ہو آسمان تک جوبن
ہو میرے باغ کا اک پھول گلشن شداد

یہ سن کے بلبل سدرہ پھڑک گیا آخر
پکارا اتنی تعلی کی لے نہ خاک نژاد

ہوائیں باندھتا ہے بے سبب تو رنگوں میں
کہیں بھی ہے ترے لفظوں میں بہا کی تعداد

وہی طلب کرے انسان جس کے قابل ہو
ہوس کے حرف ہیں خالی سنی بھی یہ روداد

ادھر ادھر جو بھٹکتا ہے کام کر کوئی
اسے کمی ہے کہیں ہر کرا حسد آتش نہاد

درِ بگیر و پرستار باش و محکم گیر
کہ ایک راہ سے پھرتے نہیں ہیں نیک نہاد

اگر ہے فکر کوئی پھر نیا قصیدہ لکھ
بمدح شمس جہان حکمران مرشد آباد

مطلع ثانی

زہے نصیب عجب رنگ سے ہوا ارشاد
کہ وصف شان جلالت لکھو اول عباد

حضور عالیہ خاتون عصر بندہ نواز
کریم مخزن ایثار عادل و جواد

کنیز حضرت زہرا محب آل رسول
فدائے پنجتن و سوگوار زین عباد

کسے مجال کہ لکھے حضور کی تعریف
کہاں خیال کہ پہنچے بہ ہفتصد ہفتاد

حضور عالی و اعلیٰ ہیں اس زمانے میں
حضور بہتر و برتر ہیں فخر شہر و بلاد

غریب پرور و ذرہ نواز و اہل کرم
جمال پاک سے پیدا ہے مہر کا ایراد

زہے وہ شان کہ جس پر پڑی ہوئی نظریں
ہے وہ رعب کہ جس کی طبیعتیں منقاد

اسی طرح سے ہیں فرمانرواؤں کے دستور
ہیں اپنے تجربے سے اپنے قول کی اسناد

بلند پایہ۔ فرشتہ خصال۔ عالی ظرف
مقدسہ و عفیفہ عقیل و نیک نژاد

مروت آن کے ہاری ہی آپ کے در پر
سخاوتوں کا تقاضا ہی ہر چہ بادا باد

پڑھوں اک اور بھی مطلع کہ سب یہ سُنکے کہیں
حقیقتاً یہی تثلیث کا ہوا اُستاد

مطلع ثالث

مُعین مذہب اثنا عشر خجستہ نہاد
دلیل رحمت باری و لطف رب عباد

زہے ترین خلائق خدایگان کرم
کہ دستگیر غریبان لائق امداد

یہ ایک جان ہی جس سے ہزار جانیں ہیں
یہ ایک دم ہی کہ جس سی ہزار دم کی مراد

یہ رعب و سطوت و جاہ و جلال بے کم و کاست
یہ شان شان جمالی بغیر استشہاد

مجال ہی کہ نظر بے سبب اٹھائے کوئی
نگاہ غیظ سے پیدا ہی مہر کا ایراد

نکل گیا جو زباں سی وہ حکم تھا ناطق
عمل میں آگیا فی الفور جو ہوا ارشاد

جو رحمتوں کی توجہ ہوئی تو پھر کیا تھا
یہاں سی جھولیاں بھر بھر کے لے گئے افراد

نوازشوں نے وہ ٹوٹے دلوں کو جوڑا ہی
کہ ہر گھڑی یہ دعا ہے دراز عمرت باد

جو سرفراز ہوا بارگاہ عالی میں
وہ چند روز میں ایسا ہی جیسے خانہ زاد

الٰہی تا بہ قیامت رہی یہ چشمۂ فیض
ہزار ایسے قصیدے کہے جل مریں حُسّاد

خلاف طبع نہو۔ نظم ختم کر شاعر
پسند خاطر شہ گشت ایں مبارکباد

تہنیتِ تقریبِ جشنِ سالگرہ سی و ہفتم حضور بندگانِ عالی سلطانِ دکن دام اقبالہ

اللہ اللہ اعجب شان ہی شانِ غفّار — دامنِ تر کو بھی ہی دامنِ رحمت میں شمار

میرے عصیان پہ توجہ نہیں مجھ پر الطاف — اس کرم پر میں فدا ایسی محبت کے نثار

اپنے بندوں میں وہ ناچیز کو بھی گنتا ہی — مجھ کو بھی اس نے زباں دی ہی برائے گفتار

بولتا ہوں تو وہی کہتا ہوں جو کہنا تھا — وہی سنتا ہوں جو سننے کے لئے ہوں تیار

غم کی آواز میں بھی میری کبھی شرکت ہے — میں کبھی جشنِ مسرت میں ہوں پورا سرشار

مثلِ پروانہ کبھی سوزِ محبت سے جلا — شکلِ تصویر کبھی رہ گیا نقشِ دیوار

میں کبھی ہوش میں بیہوش کبھی ہنستا ہوں — جس طرح رنگِ زمانہ کو نہیں کوئی قرار

خاکِ صحرا ہوں کبھی خاکِ درِ یار کبھی — ان پریشانیوں میں اوج پہ ہی میرا غبار

عرش والوں سے رہا کرتے ہیں سرِّ مخفی — آسمانوں کی خبر میرے سخن کی تکرار

میں طلسمِ نظرِ حسن کا دیوانہ ہوں — ڈورے ڈالے ہیں سدا شاہدِ مضموں پہ ہزار

ہیں وہ ہوں مجھ سے سخن گو میں ہزاروں لیکن — میرے ہی لفظ ہیں نقشِ دلِ دشمن ہر بار

پھر یہ ممکن ہی کہ میں جشنِ سعادت میں نہ ہوں — میں اولوالامر کی خدمت میں نہ بھیجوں اشعار

مطلع ثانی

یوسفِ عصر شہنشاہِ دکن سحر نگار — میر محبوب علی خان بہادر سرکار

کیا ترا وصف کرے ایک بیانِ الکن — تو وہ ہی تیری زباں پر ہی ثبات و قرار

تجھ سے جو فیض زمانے کو ہی دنیا واقف — تجھ سے قوت جو ہی اسلام کو سب پر اظہار

تیری حکمت کو تدبر کو کوئی کیا جانے — نہیں تفہیم کو دل سے بھی زبانِ اظہار

شعر کا حسن بیاں میری زباں سے توبہ | مصرع مصرع کی تراوش سے ہو بیخود ہشیار
وہ تری بندشیں۔ وہ لطف بیاں صل علی | حیرت آتی ہے خدا جانے یہ کیا ہی اسرار
مجھ سے پوچھے جو کوئی میں تو ہزاروں پہ کہوں | کہ یہاں بعد ولی کے ہوئے اعلی سرکار
ہاں لگی ہاتھ ہوا کہ اور بھی مطلع شاعر | کہ بہت کیفیت مسرت کی ٹپکتی ہے مقدار

مطلع سوم

نیر برج شرف۔ مہر سپہر انور | جلوہ صبح ازل شعشہ حسن معیار
تو وہ ہے تاب نظر کب ہے رخ عالی پر | رعب سے مردمک چشم خدم پر ہیں نثار
دن کو خورشید تو شب کو مہ تابان فلک | رات دن بیتے یوں ہیں یہ دونوں ستار
کالے کوسوں ہے تری داد و دہش کا شہرہ | فیض بخشش سے ترے گرم دیار و امصار
جسکو دیکھا وہ دکن ہی کا معترف دیکھا | جسکو پایا اسے محبوب ہی سے ہے سرکار
اور تو اور گورنمنٹ کو تجھ پر وہ ناز | ہر نگارش میں تجھے ہند کا لکھے اسٹار
لطف یہ ہے کہ ہر ایک فن میں تری سہرا | بات یہ ہے کہ ہر ایک پھول میں ہے تیری بہار
شہسواری تری عالم میں ہوئی ہے مشہور | اب تو بہرام فلک بھی ہے ترا میر شکار
آفریں دست زبردست کی تیاری پر | کہ جہاں پڑ گئی بھرپور پڑی ہے تلوار

قطعہ

کیا لکھوں اسپ سبکسیر کی سرعت کا بیاں | کہ وہ کچھ اور ہواؤں میں ہوا پر ہے سوار
میں ابھی فکر میں تھا جو وہ نظر میں آیا | لکھنے بیٹھا تھا کہ وہ چھوڑ گیا خط غبار
فیل وہ فیل گراں پایہ کہ تھمتا ہی نہیں | سایہ چرخ کو زنجیر سے باندھا سو بار
میری بس کا نہیں ہے مرے قابو کا نہیں | اسکی خرطوم سے ہو تو سینہ بھی بیکار
مختصر یہ کہ ہے شاعر دم مدحت عاجز | یہ کہاں اور کہاں تیری لوازم کا شمار
صد وسی سال سلامت رہے نو ظل اللہ | صد وسی سال رہے جشن مبارک کی بہار

تہنیت دربارِ دہلی بہ تقریبِ جشنِ تاجپوشی عالیجناب معلّٰی القاب ملکِ معظم ایڈورڈ ہفتم ہز مجسٹی دی کنگ آف گریٹ برٹن و

قیصرِ ہندوستان منعقدہ یکم جنوری سنہ ۱۹۰۳ عیسوی

مثل رکھتی ہیں کہیں کن فیکوں کے جوہر؟
واہ کیا شانِ صناعی ہے زہے صنعت گر

کیا قیاس بشری جو تری قدرت جانچے
مہر کے سامنے کب آنکھ کو ہے تابِ نظر؟

ایک سے ایک کی صورت نہیں ملتی حاشا
ایک سے ایک طبیعت نہیں ہوتی خوگر

کہیں تصویر رنگیں پر ہے پری کا عالم
کہیں بازیچہ ہر سنگ ہے مسجودِ بشر

کہیں بلبل کا ترانہ کہیں قمری کی صدا
کہیں بالیدگیٔ سرو کہیں ہے گلِ تر

کہیں دریا ہے کہیں ہے لبِ خشکِ ساحل
خس و خاشاک کہیں ہیں کہیں سلکِ گوہر

حسنِ مہتاب کہیں تقویتِ جوشِ نمو
تابشِ مہر کہیں جانِ ریاحین و ثمر

نغمۂ نے کہیں دلکش کہیں آہنگِ سرود
نالہ و آہ کہیں راحتِ قلبِ مضطر

کہیں زخمِ دلِ صد پارہ ہیں گلہائے امید
کہیں داغِ جگری یاس و الم کے جوہر

کہیں سوزش کہیں سازش کہیں دل آویز خیال
کہیں آتش کہیں گلشن کہیں غنچہ کہیں زر

وہ سرِ شام کہیں ایک چمن کا جوبن
ہلکا ہلکا وہ دھواں باغ کے اوپر اوپر

قبلہ رخ کی وہ شفق زردیٔ رخسار کے ساتھ
چمپئی رنگ میں ڈوبی تھی گلابی چادر

وہ درختوں کی پھننگوں پہ ہزاروں عالم
انکے سایہ میں وہ سبزی کی جھلک سرتاسر

تختیاں مہندی کی ہر چار طرف کتری ہوئی | بیچ میں جنگلے وہ لوہے کے پئے حفظ شجر
وہ مناسب روشیں اور وہ گملوں کی قطار | لہلہاتے ہوئے وہ پھول ادھر اور ادھر
نیچے اک قطع میں لبریز وہ ٹھہرا پانی | ہلکی ہلکی سی جسے جنبشیں تھیں رہ رہ کر
لالٹینوں کی چمک کا وہ سنہرا پرتو | بجلیاں کوندتی تھیں پانی کے اندر باہر
وہ حسینوں کے پرے آئینۂ برق جمال | گون پہنے ہوئے ہر سمت بتانِ آذر
وہ ستمگار تبسم وہ جفاگر چتون | بجلیاں اس سی گریں اس سی رواں ہوں خنجر
فتنہ پرداز نگاہیں کہ جگر میں ٹھہریں | اتنی بیتاب ادائیں کہ ادائیں ششدر
ایک سی ایک زیادہ ٹھاٹھ دکھانے کے لئے | ہر طرف خوبیٔ استادِ ازل کے مظہر
ناگہاں شہر میں اک معبدِ عالی دیکھا | جس کا اندازِ بلندی تھا مری حدِ نظر
شان و شوکت کا وہ عالم کہ دبے جاتے تھے | کاخِ کیخسرو و دارا و فریدوں یکسر
دفن تھے اس میں بہت سے امرا شاہ و وزیر | قوم کے خیر طلب اور سرانِ لشکر
شعرائے سخن آرا و طبیبانِ نکو | سینکڑوں دفن خزانے تھے زمیں کے اندر
وہیں دو صاحبِ عزت نظر آئے مجھ کو | جنکے اعزاز برابر تھے نظر میں تل کر
ایک ۔ اک مردِ رفیع الدرجات و منصب | اور اک دوسری خاتونِ جمیل المنظر
انکے پیچھے کئی اک اور بھی تھیں کرسیاں | رفتہ رفتہ نہ رہا کوئی مکاں کے باہر
تخت بچھے تھے جہاں بیٹھے ہیں دو کیاں بھی | انہیں دونوں اولو العزم پہ ٹھہرے جا کر
حافظِ قرآں ہو گئے حاضر جو تھے ہمراہی | ٹھیک کر گٹھڑے دونوں ہوئی قائم ان
چپکے چپکے پڑھیں دونوں نے دعائیں پہلے | دست بستہ رہے اس شان سے پیشِ داور
پھر بجا ہند کے شعوں سے نیا ایک سرود | پھر کھڑے ہو گئے یہ صاحبِ عزت اٹھ کر

اتنے میں ان کے برابر بڑھے اک اور بزرگ — چار جانب وہ مخاطب ہوئے یہ کہہ کر
پیش کرتا ہوں میں اک شاہ کو اسوقت یہاں — سنکے سب اس کی اطاعت کو ہو تیار اگر
سن کے یہ لفظ اٹھا شورِ مسرت ہر سو — ہر طرف سے یہ صدا آئی کہ بہتر بہتر
شادیانے بجے آغازِ عبادت کر لئے — دو نمازیں پڑھیں پھر سب نے برابر ملکر
آگیا اور بھی اک شخص بشکل واعظ — اسنے کچھ پند و نصائح کے سنائے پھر
ختم ہوتے ہی یہ تقریر بڑھا پھر وہ بزرگ — جس نے پہلے بھی مخاطب کئے تھے سب ہمبر
اور اس طرح ہوا شاہ سے سرگرمِ کلام — کہ مرے شاہِ معظم شہِ والا گوہر
خادمِ دیں کی گذارش ہے یہی حضرت سے — کیا حلف[۵] آپ اٹھاتے ہیں حضور داور
شاہ نے لطف و عنایت سے کہا ہاں جی ہوں — میں اٹھاتا ہوں حلف۔ کیجئے اس کو باور
اسنے کی عرض کہ کیا وعدہ یہ واثق ہے حضور — پارلیمنٹ کے منظور شدہ محضر پر
ہونگے عامل بخوشی میری جناب والا — اور کچھ اسمیں نہ تفریق کے ہونگے تیور
شاہ گویا ہوئے ہاں ہاں مرا وعدہ ہے یہی — سچے دل سے یہی اقرار ہے۔ بہتر بہتر
وہ یہ بولا کہ بہت خوب۔ مگر یہ تو کہیں — عدل قانون ہیں کیا رحم بھی ہوگا مضمر
حتی الامکان ہر اک حکم جناب عالی — انہیں اوصاف سے ہوگا نہ ذرا بھی باہر
ہوا ارشاد کہ ہوگا یوں ہی بیشک بیشک — تا بمقدور یہی فرض رہیگا ہم پر
پھر کہا اسنے کہ انجیل کی سچی تلقینیں — اور احکامِ الٰہی کے وہ سارے جوہر
جو ہمیشہ سے چلے آئے ہیں اعزاز کے ساتھ — جن کی تعمیل ہے ہر شاہ کو فرضِ اکبر
اور اصلاح شدہ دین کے آئین تمام — آپ کے عہد میں پائینگے بحالی یکسر

۵ حلف بوزنِ کلف غلط مگر غلط العام فصیح ہے لہٰذا رکھا گیا ۱۲

جتنے ہیں خادم دیں اور ہیں جتنے اُسقف
کیٔ حقدار ہوں یا ایک کا حق ہو اُسمیں
جس قدر اُنکے حقوق اور تعلق ہونگے
شہ نے فرمایا میں ان سبکا ہوں وعدہ کرتا
یہ کہا اور بڑھا شاہ سوئے قربان گاہ
میز پر ہاتھ رکھا ٹیک دیئے پھر گھٹنے
اِس سے پہلے جو ابھی میں نے کیٔ ہیں وعدے
جتنی باتیں ہیں وہ میں سب کی کروں گا تعمیل
پہلے بوسہ دیا انجیل مقدس کو وہیں
طرب افزائے مشیت ہوئی پھر روح قدس
تیل کیواسطے پھر مانگی دعائے تقدیس
اتنے میں شاہ بھی پوشاک بدل کر آئے
گرد آ کے ارکین نے حلقہ باندھا
رشک سے بال ہما ہو گیا روپوش کہیں
آئے پھر سامنے وہ تیل لئے صدر اُسقف
پہلے تو شکل صلیب اُس سے بنائی پوری
تیرا سر بھی یونہیں مسوح ہوا والا جاہ
جیسے مسوح ہوا کرتے تھے کاہن پہلے
پھر دوزانو ہوئے شہ اور دعائے برکت

مملکت بھر میں کہیں ہوں وہ ادھر اور اُدھر
اُس نے پائے ہوں حقوق آج - کہ پائی چلکر
کیا اُنہیں آپ بھی محفوظ رکھینگے سر ور؟
جو مرے دل میں ہے وہی ہے زباں کے اوپر
مع حضار بصد عجز جھکائے ہوئے سر
اور یہ فرمایا کہ اے مجمع ارباب ہنر
تا بمقدور رکھونگا میں اُنہیں مد نظر
میری امداد کرے میرا خدائے اکبر
دستخط کر دیئے پھر اپنے حلف نامہ پر
آمد آمد کی خبر پھیلی ترانے بن کر
تاکہ مسوح ہو وہ سر جو ہو زیب افسر
اور اک کرسی زریں پہ ہوئے زینت گر
جس طرح ایک لڑی میں ہوں پروئے گوہر
اک سراپردۂ زریں کو جو کھینچا سر پر
شاہ کے سر پہ بہایا اُسے چمچہ بھر کر
پھر یہ الفاظ کہے اپنی زباں سے فرفر
جیسے مسوح ہوا کرتے تھے شاہان دگر
انبیا اور شہنشاہ جنہیں بوکشور
مانگی جانے لگی اسمائے الٰہی پڑھ کر

اُس سے جس وقت فراغت ہوئی تو شاہ کو
دفعتاً لائی گئی پہلو سے اِک تیغِ اصیل
اور کی عرض کہ اے شاہ مبارک ہو تجھے
پہلوئے شاہ مزین رہے اس سے ہر دم
باندھ اسکو تو کمر میں کہ ترا حصہ ہے
اس سے انصاف ہی کرنا کہ یہی شایاں ہے
اس سے اے شاہ کلیسہ کی حفاظت کرنا
چیزیں برباد جو ہو جائیں انہیں کرنا بحال
گوشمالی اُسے دینا جو سرِ کبر اُٹھائے
تا کہ الطافِ خداوند میں تیری گذرے
لیجئے شاہی لبادہ یہ انگوٹھی بھی ہے
پہنئے شوق سے یہ ارث قدیمانہ ہے
ایک پر فاختہ ہے دوسرے پر شکلِ صلیب
ٹھہرئیے ٹھہرئیے اک اور امانت ہے حضور
کہہ کے یہ تاج اُٹھایا زسرِ قربان گاہ
باجے بجنے لگے اک بار خوشی کے پھر تو
سر ہوئیں توپیں اُسی وقت سلامی اُتری
اب تو میں بھی ذرا چونکا کہ یہ کیا ساماں تھا
اتنے میں ہنس کے پکاری یہ مری عقلِ سلیم

ایستادہ ہوئے اور ڈالی ہر ایک سمت نظر
صدرِ اُسقف نے بہ آداب جھکایا پھر سر
یہ وہ شمشیر ہے جس کی ہے سیاست یوں کر
خونِ دشمن سے چمکتے رہیں دائم ساغر
تجھ کو بخشا ہے خداوند نے یہ زر زیور
اس سے بجھ جائیں جو بڑھتے ہوں شرارے اِدھر
اس سے امداد یتیموں کی ہو بچوں کی گذر
اور جو ٹھیک ہوں قائم انہیں رکھنا یکسر
اس سے اصلاح بھی ہو جائے جو ہو وجہِ ضرر
عاقبت میں بھی حکومت ہو تری جوں ہے اِدھر
اور دستانے بھی حاضر ہیں کرامات اثر
یہ عصا لیجئے دونوں میں یہ شاہی زیور
دونوں یہ قوتِ بازو ہیں نہ ہے فتح و ظفر
یہ وہ ہے نصرت و اقبال میں جس کے اوپر
رکھدیا جھوم کے سرتاجِ شہاں کے سر پر
اُڑ گئے نعرۂ بہجت سوئے چرخِ خضر
شور اُٹھا کہ سلامت رہیں شاہ و قیصر
کیسا نظارہ تھا کیا دیکھ رہا تھا ششدر
ہوش میں آ تجھے اب تک نہیں اتنی بھی خبر

تاج پوشی ہوئی تھی شاہِ معظم کی جو ہیں — جا کے دیکھ آئی ہو لندن میں جسے دنیا بھر

تو نے جو شہر میں دیکھا ہو کلیسائے بلند — تھا وہی ویسٹ منسٹر کا بڑا گرجا گھر

جتنے ہمراہی تھے ہمراہِ شہِ عالی جاہ — تھے وہ سب حامیِ اورنگ و نشانِ افسر

خادمِ دیں تھے وہ دیکھا تھا جنھیں مردِ بزرگ — صدر اسقف کے لقب سے ہیں یہی نام آور

تاج پہنایا گیا جنکو وہی قیصر تھے — ہز مجسٹی شہِ اڈورڈ - دی کنگ - ایمپرر

انکے ہم پہلو جو تھیں وہ ملکہ صاحبہ تھیں — ہائے کمبخت نہ قدرت ہوئی اوسانوں پر

گو خیالات کا مجمع تھا کہیں تو تھمتا — اپنے آپے ہی سے ہو جاتا ہی تو کیوں باہر

سخت افسوس ہے یہ جشن تو آنکھوں دیکھے — اور پھر انکی حضوری میں نہ ہو جرأت گر

میں نے گھبرا کے کہا اب بھی کوئی موقع ہے — غلطی ہو گئی مجھ سے کہ میں اک بندہ بشر

مسکرا کر کہا اس نے کہ نہیں اب بھی ہے وقت — ہند میں جا کہ وہی جشن ہے پھر پیشِ نظر

لارڈ کرزن ہیں موجود ہیں شہ کے نائب — جنکی خدمت میں ہیں اسوقت ہزاروں افسر

دلی والوں کے نصیبے کی قسم کھاتی ہوں — ایسا دربار نہ دیکھا نہ سنا زندگی بھر

ہنس کر تو بھی قصیدہ کہ بہار آجائے — تو بھی ارمان نکال اپنے باندازِ دگر

کچھ نہ پوچھو مری اس وقت خوشی کا عالم — میں تو اس مژدہ کو پھولا نہ سمایا سنکر

اب وہ ہو مطلعِ ثانی کہ شگوفے کھلجائیں — گوشۂ دامنِ قرطاس ہو جس سے پُر زر

مطلعِ ثانی

آفریں طبعِ رسا خوب دکھائے جوہر — چشمِ بد دور ٹھہرتی نہیں دشمن کی نظر

چھپتی جاتی نگاہیں کہ یہ لڑیاں کیا ہیں — آب گوہر ہے عدو کے لئے آبِ خنجر

تازہ تازہ جو یہ گلہائے مضامیں دیکھے — خون ہو ہو گئے دل نظم کی رنگینی پر

گھپ گئی دیدۂ حساد میں ہر نوکِ پلک
کس مزے سے اُتر آئے ہیں جگر میں نشتر

واہ کیا کہنا ترا جانِ جہاں اندرپت
تیری ہی خاک سے چمکے ہیں ہزاروں اختر

آسماں تیری میں کو جو کہیں زیبا ہے
ذرّہ ذرّہ ہے تری خاک کا مہرِ انور

تجھ میں وہ لعل چھپے ہیں کہ نہ تھا جن کا نظیر
تجھ میں وہ گوہرِ نایاب کہ قدرت ششدر

دھرم اوتار - مہابیر - رشی اور مُنی
وہ جوانمرد کہ میدان نہ چھوڑیں مر کر

وہ شہنشاہِ اولوالعزم وہ خدّامِ قریش
وہ شجاعانِ عرب میرِ عجم گردن فر

جاں نثارِ ازلی سُنّت و بنیادِ اسلام
سر فروشانِ سر انداز و جلالت پیکر

وہ بہادر کہ بگڑ جائیں تو لے لیں اقلیم
بات پر آئیں تو دم بھر میں الٹ دیں لشکر

وہ حسینانِ جہاں جنکا نہ پرتو دیکھا
مہر گردونکی بھی پڑتی تھیں نگاہیں جن پر

انتخاباتِ زمانہ حکمائے کامل
فضلائے ادب آموز و طریقت گستر

پاکبازانِ حقیقت - سخن آرائے مجاز
معدنِ علم و عمل مخزنِ تفہیم و نظر

تو وہ ہے جس سے ہر اک شہر نے رونق پائی
تو وہ ہے لفظ و معانی کا ہے تو ہی مصدر

تیرے ہی در سے تو لے آئے ہیں اُردو والے
بات کرنیکی روش لطف زباں کے جوہر

تو وہ ہے تو نے لٹایا ہے چمن کو اپنے
ہند میں چار طرف ہیں تری بخشش کے ثمر

برسوں آدابِ تلفظ کو کیا ہے تعلیم
درس و تدریس سے ہر شخص ہوا بہرہ ور

پھر خدا جانے یہ کیا ہے کہ زمانہ دشمن
اُف رے احسان فراموشی اربابِ ہنر

تجھ کو دلّی بھی کہیں تو بھی تو ہے اُمّ بلاد
ریش بابا ہے بازی ہے نہ زلفِ مادر

اب کے بھی دور میں تیرے ہی رہا سر سہرا
تاجپوشی شہ جم جاہ کی ہے پیش نظر

یہ وہ عالم ہے کہ برسوں نہ کوئی بھولیگا
یہ وہ چرچے ہیں زبانوں پہ رہینگے اکثر

کہا بھی ہے وہ ہر چار طرف نام خدا ۔ لفظ بھی صاف سنائی نہیں دیتے دبکر

کہیں تل دھرنے کو ملتی نہیں بستی میں جگہ ۔ چاوڑی۔ فتحپوری۔ لال کنواں گھنٹہ گھر

اوج وہ قلعۂ شاہی کا وہ جامع مسجد ۔ گنبد چرخ بھی کھاتا نہیں جن سے ٹکر

چاندنی چوک بھی تصویر کے قابل ہے آج ۔ سچ تو یہ ہے کہ مصور ہے ہر اک سوداگر

وہ سجایا ہے دکانوں کو ہر اک نے اپنی ۔ مینا بازار کا ہے لطف نظر جائے جدھر

چاندی سونیکا وہ سامان جواہر کی وہ جوت ۔ کہ جسے دیکھ کے ہک دھک سے ہے ہر اہل نظر

پارچے والے جلاساز مرصع پرداز ۔ ان گنت قسمیں ہیں ہر چیز کی بہتر بہتر

ذکر کس کس کا ہو۔ اسکے لئے ہو ایک کتاب ۔ مجھ کو تفصیل سے کرنی ہے پڑی قطع نظر

گاڑی گھوڑوں کی نہ گنتی نہ سواروں کا شمار ۔ نام کس کس کا لوں اس وقت تو ہے دنیا بھر

اجلے اجلے وہ مکانات وہ رنگیں ہوٹل ۔ اونچے اونچے وہ نئے قصر بلند و برتر

جھنڈیوں سے ہیں سجے اور کہیں مونوگرام ۔ قیصر و قیصرہ کے عکس ادھر اور ادھر

لالٹینیں ہیں کہیں ہیں کہیں برقی فانوس ۔ گرم بازاری بلدہ ہے یونہیں آٹھ پہر

اک پرا آیا ادھر سے تو ادھر سے اک اور ۔ یہ سواری گئی وہ نکلی برابر ہو کر

کوئی راجہ مہاراجہ ہے کوئی ہے نواب ۔ میہماں کوئی گورنمنٹ کا فوجی افسر

وہ پرستان کی پریاں وہ قیامت کے لباس ۔ نہیں ملتا ہے فرشتوں کا بھی جن سے شہپر

آگے پیچھے ہیں سواروں کے پرے گرم خرام ۔ گاڑیاں دوڑتی پھرتی ہیں ادھر اور ادھر

کمپنی باغ کا وہ روپ وہ فصیل سنگی ۔ جس میں خلد آشیاں وکٹوریہ کا ہے پیکر

کہیں آراستہ پیراستہ ہے اسٹیشن ۔ کہیں ریلوں کی شد آمد سے ہجوم لشکر

مختلف صورتیں وہ سب سے نرالے انداز ۔ ایک سے ایک جدا شکل انوکھے تیور

سنو گی اس سے زیادہ ہی تری آرائش
اور ہی رنگ ہی پُر شہر کے باہر باہر

میلوں ہیں چار طرف خیمہ و خرگاہ نئے
کوسوں ہی خیمے سے جنگل میں سہانا منظر

چھوٹی سی ریل کا وہ دوڑنا جیسے چیتے
اور وہ ایک طرف سامنے ایمفی تھیٹر

دے دعا شاہ کے اقبال کو اے نیک نہاد
پھر گئے دن ترے پھر اوج پہ آیا اختر

کون وہ شاہ خوش اقبال شہ آئرلینڈ
وہ خداوند جزائر شہ والا گوہر

شاہ انگلینڈ عمل آرائے سر مفتوحات
جسکے قبضہ میں ہی ہر چار طرف بحر و بر

حامیٔ دین مسیحا و طریق انجیل
حافظ شان کلیسا و رعایا پرور

یادگار شہ اعظم دی گریٹ الفرڈ
پختہ کار رہ آداب شہی دانشور

وہ شہنشاہ کہ نازِ دُوَلِ یورپ ہے
امریکہ و کینڈا یہ ہیں جس کے لنگر

جسکے دوران عمل میں نہیں چھپتا سورج
جسکے اقبال کا پرتو ہے عدیم المنظر

جسکی طاقت کو پہنچتی نہیں کوئی طاقت
جسکی ہمت نے بنا دی ہی دل زنبار پر

کوس حربی نے ہلایا ہی جو ربع مسکوں
ہر زباں پر یہی نعرہ ہے کہ قیصر قیصر

جسکے نائب کے جلو میں تھے انتیسوں کو
تاجداران سرافراز و جلالت پیکر

کون نائب وہی ذی ہوش گورنر جنرل
لارڈ کرزن سر سرکار برآر کشور

وہ کہ ہیں جسکی حفاظت میں کروڑوں جانیں
وہ کہ جس کے لئے ہر شخص یہاں سینہ سپر

سالہا سال جسے یاد کرے ہندوستاں
مدتوں ہر کہ و مہ فخر کرے گا جس پر

جسکے ہر بزم بہر حال ڈیوک آف کناٹ
قوت بازوئے شہ خاص دہی ہنگر بر

بیگماتوں ہیں فخر اور وہ لیڈی کرزن
دونوں کو فخر مساوی تھا کہ دونو ہمسر

دہنے ہاتھی پہ وہ سلطان دکن کا اجلال
سادگی جس کی ہزاروں کیلئے تھی زیور

نک سے سک تک وہ عماری کی طلائی نکہت
وہ امارت شہِ ممدوح کی وہ شان و شکوہ
بائیں جانب تھا مہاراج بڑودہ کا نشاں
پھر مہاراج ادھیراج مہِ ٹراونکور
انکے بعد آئے سرِ زندہ دلانِ پنجاب
پھر نمایاں ہوئے کس شان سے مادھو مہراج
انکے ہمراہ مہاراجہ جے پور بڑھے
پھر مہاراجہ اندور کی باری آئی
تختِ ریواں کی ضیا تاجِ سر بیکانیر
اور چمکے مہاراجہ و رئیسِ کوٹا
دھار کے وہ مہاراجہ و مہہ جیسلمیر
بعد ان کے تھی عجب شان سے نوابِ ٹونک
پھر مہاراجہ [illegible] کا نمبر آیا
پھر مہاراج چھترپور و سرِ کولاپور
خیرپور سندھ کے میر آپ ہی تھے [illegible]
آئے بعد انکے وہیں تاجورِ نرسنگ گڈھ
پھر وہ اعزاز مہاراجہ پٹیالہ کا
آمد آمد ہوئی نواب بہاولپور کی
رفتہ رفتہ وہیں پھر نابھہ کے راجہ آئے

جھول تھی تھی اسی ہی کی جھلک سے انور
دیکھنے والے نہ بھولینگے کبھی تا محشر
لوٹتی تھیں دمِ مشتاق کی نظریں جس پر
جسکے پہلو میں تھے میسور کے بندہ پرور
والیِ خطۂ کشمیر دلارام نگر
سیندھیا کے مہِ نو روحِ روانِ لشکر
راجپوتوں کا شرف راج بلی راج ایشور
بوندی والے مہاراؤ بھی وہیں آئے نظر
دونوں ہمعصر یہ پھر آئے برابر مل کر
اور دتیا و قرولی کے حکومت گستر
راجہ ریواں کے ہمراہ رئیس الور
جھالاوار اور وہ [illegible] کے مقتدر [illegible]
صورت والیِ کشمیر یہ جھلکتے گر
راجگڈھ اور مہاراجہ کچھ تھے ہمسر
انکے ہمراہ بھی کوئی نہیں تھا ہاتھی پر
اور پھر صاحبِ سلطان مکلا و شحر
جنکے پہلو میں مہاراج سکم سا ہمسر
حاکمِ کوچ بہار آئے برابر ہوکر
بعد میں جیند و پٹریا کے رعایا پرور

راجہ سرمور کی آمد کا نرالا انداز
مالیر کوٹلے کی پھر وہ تجلائے دگر

جلوہ آرا ہوئے پھر حامد علیخاں نواب
حاکمِ مصطفےٰ آباد جلیل المنظر

پھر مہاراجہ بنارس کی سواری آئی
تنہ کے راجہ بھی ہوئے پچھلوں سے پھر بالاتر

باری باری سے نظر آئے رئیس آسام
اور وہ موروی کے صاحبِ عزت ٹھاکر

لیٹری بالسندہ بڑیا کے پھر آئے حکام
اور جنجیرہ کے نواب خجستہ اختر

سو ہوا دونوں منگنائی کے اور گنگمن کے
ختم تھا قبل نشینوں کا تسلسل ان پر

پھر وہ دربار ہوا جنوری کی پہلی کو
کر دلہن بن گیا سو حسن سے ایمفی تھیٹر

یہ تری ذات ہی کو فخر ہوا جانِ بلاد
یہ تجھی پر ہوا موقوف بجُسلکِم داور

اور تو اور یہاں حضرتِ آصف آئے
میر محبوب علی خاں حضورِ انور

گو کہ پہلے بھی کرم آپ نے فرمایا تھا
اب کے وہ لطف ملا ہے کہ یہ بینیم دگر

پھر پڑھوں مطلعِ ثالث کہ حضوری ہو جائے
پھر چہک جائیں مری تیغِ زباں کے جوہر

مطلعِ ثالث

اے شہنشاہِ دکن قلعہ شکن گردوں فر
قوتِ بازوئے اسلام نہیبِ داور

اذنِ عالی میں نہاں شرعِ مبیں کے اظہار
حکم میں جنبشِ ابرو کے ہلالی لشکر

بارک اللہ عجب صورتِ زیبا پائی
ماشاء اللہ عجب شان ہے بندہ پرور

یہ نفاست یہ سلاست کہیں دیکھی نہ سنی
تو ہی شایانِ امارت ہے بجانِ قیصر

چشمِ بد دور ولیعہد بہادر کا شباب
کہ بلائیں لئے لیتی تھی ہر اک بار نظر

ترے ارکانِ معظم بھی ہیں جانِ اعزاز
یوں ہی تو اُن میں کہ جس طرح ستاروں میں قمر

شاد ذی جاہ مہاراجہ بہادر دستور ۔۔۔ منبع جود و سخا - کانِ وفا - دانشور

جانِ نثارِ شہِ آصف چمن آرائے دکن ۔۔۔ بزم میں رشکِ جمشید بہ رزم سکندر

آپ کے در سے نہیں پھرتا ہی خالی کوئی ۔۔۔ دستگیرِ شرفا قدر کنِ اہلِ ہنر

وہ سرافراز جہاں بزینۂ سلطانِ دکن (بہنوئی) ۔۔۔ خرقِ عادات سے جو طیب و طاہر اطہر

نیرِ برجِ شرف حضرتِ خورشید الملک ۔۔۔ پائیگہ جنکے قدم سے ہی جمیل المنظر

خانخانان رئیس ابن رئیس اعظم ۔۔۔ جنکے ایثار ہیں نقشِ دلِ دشمن اکثر

منبع جاہ و حشم اہلِ کرم فخر الملک ۔۔۔ حوصلہ مندیوں سے جنکے زمانہ ششدر

بعد انکے ہیں مہاراجہ رائے رایاں ۔۔۔ جنکے اوصاف حمیدہ ہیں بیاں سی باہر

شاہ کے خیر طلب لائقِ الطافِ حضور ۔۔۔ بندہ خاص ہوا خواہ عقیدت گستر

عاقل و باذل و فیاض و فہیم و محتاط ۔۔۔ پاکبازی کا ہوا قطع ہے جامہ ان پر

انہیں کی مدح پہ ہی ختم قصیدہ شاعر ۔۔۔ گو قصیدہ تو نہیں ہی یہ خوشی کا دفتر

صاف ظاہر ہی مرا عجز کہ ہیں ناقص سب ۔۔۔ عرقِ شرم ہی کاغذ پہ ہر اک مصرعہ تر

نہ تبحر سے علاقہ نہ تعلّی کی مجال ۔۔۔ توبہ توبہ کہ خطاؤں سے مرکب ہے بشر

ہاں مگر ایک تو ارشاد کی تعمیل یہ ہے ۔۔۔ دوسرے اپنے شہنشاہ نے پایا افسر

میں نے جو کچھ کہ لکھا سب کی مسرت کیلئے ۔۔۔ مجھ کو آپے سے کیا میری خوشی نے باہر

اب بھی داغِ دلِ دشمن ہوں یہ اشعار تو خیر ۔۔۔ لو چلا جاتا ہوں میں ساغر و مینا لیکر

اپنے پیالے کی کسی کو نہیں دیتا ہی فقیر ۔۔۔ یہ دمے ہی نہیں ملتی ہی کہیں چلو بھر

اب دعا یہ ہی شہنشاہ کی ہو عمر دراز
قیصر و قیصرہ آباد رہیں تا محشر

رباعیاتِ اکبر

خان بہادر سید اکبر حسین صاحب جج کے کلام نے جو شہرت و مقبولیت حاصل کی ہے محتاجِ توصیف نہیں۔ مخزن پریس دہلی نے حال میں انکی تمام اخلاقی رباعیات کا مجموعہ نہایت خوش قلم اور خوشنما چھپا کر شائع کیا ہے۔ ہر صفحہ پر ایک رباعی نہایت اہتمام سے لکھی گئی ہے۔ اور بہت احتیاط اور صفائی سے چھپی ہے۔ کتاب مجلد ہے اور قیمت صرف ۱۲ر علاوہ محصولڈاک ہے۔

کلامِ نیرنگ

سید غلام بھیک نیرنگ بی۔اے۔ وکیل کا تمام کلام جو مخزن میں چھپتا رہا ہے اسکو جمع کرکے نہایت خوشنما ایڈیشن چھاپ دیا ہے۔ اس مجموعے میں ذیل کی نظموں کے علاوہ غزلیات بہت سی ہیں۔ مرجھایا ہوا پھول۔ خوابِ یتیم۔ راحتِ یاس۔ ایک آنسو سے دو دو باتیں۔ خوابِ ناز۔ حسن و عشق۔ کسی کا دھیان۔ بادل۔ انسان کی فریاد۔ راگ۔ خار۔ سودائے خام۔ تلاشِ محبت۔ بھونرا وغیرہ وغیرہ۔ وہ دلکش نظمیں ہیں جنکو ملک نے نہایت قدر اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ یہ مختصر مجموعہ ۶ر کو کیا مہنگا ہے۔

درخواستیں منیجر مخزن پریس دہلی کے نام ہوں